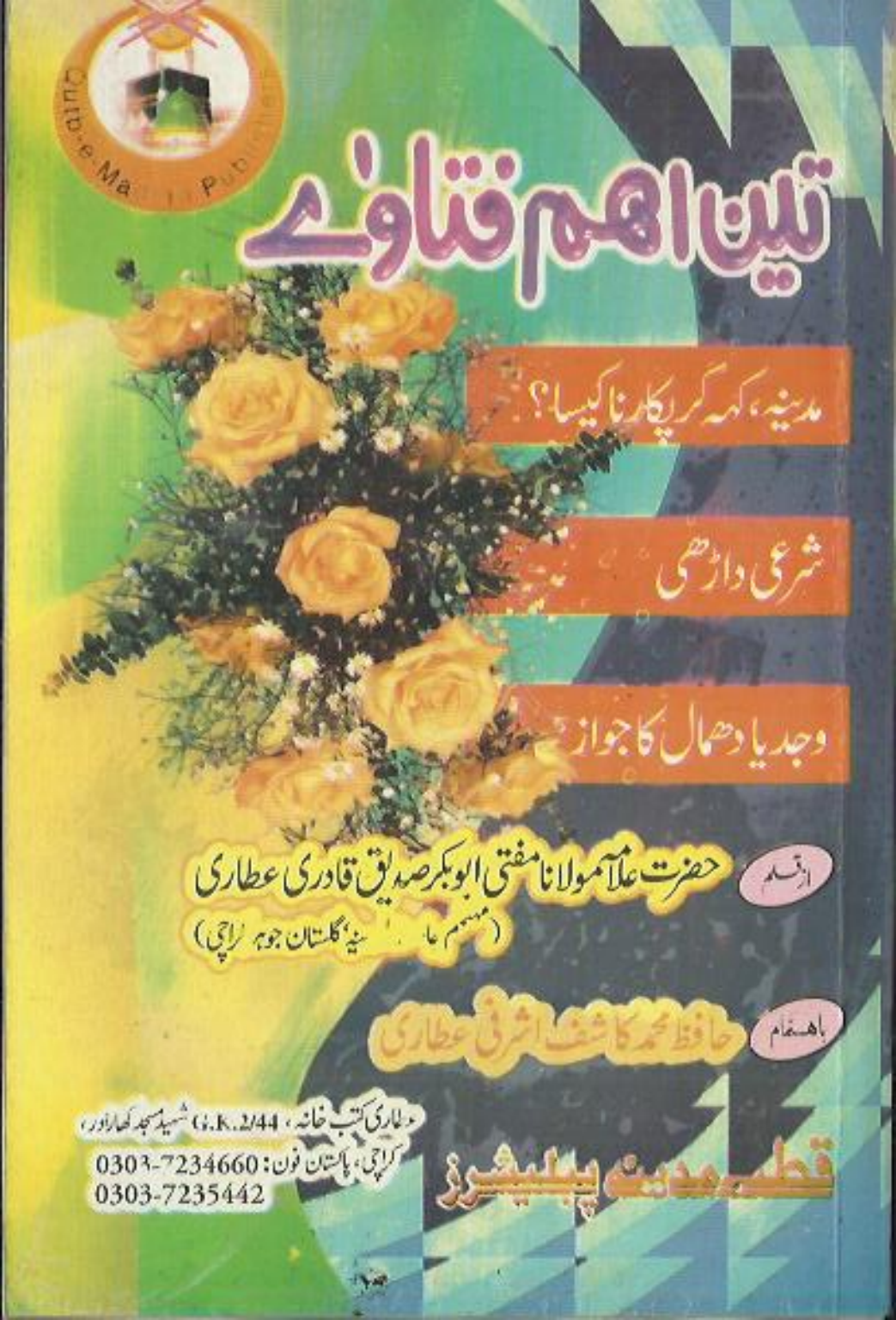
تین اہم فتاوٰے
مدینہ، کہہ کر پکارنا کیسا؟
شرعی داڑھی
وجد یا دھمال کا جواز
از قلم
حضرت علامہ مولانا مفتی ابوبکر صدیق قادری عطاری
(مہتمم عا[illegible]سنیہ گلستان جوہر کراچی)
باہتمام
حافظ محمد کاشف اشرفی عطاری
عطاری کتب خانہ، G.K.2/44 شہید مسجد کھارادر،
کراچی، پاکستان فون: 0303-7234660
0303-7235442
قطب مدینہ پبلیشرز

تین اہم فتاوی

مدینہ کہہ کر پکارنا کیسا

دھمال

شرعی داڑھی

مصنف

ڈاکٹر علامہ مدظلہ العالی

مفتی ابوبکر قادری عطاری

دارالافتاء اہلسنت

باہتمام

حافظ محمد کاشف اشرفی عطاری

پبلشرز

قطب مدینہ پبلیشرز

عطاری کتب خانہ، G.K.2/44 شہید مسجد کھارادر، کراچی۔

تین اہم فتاوی

مدینہ کہہ کر پکارنا کیسا

دھمال

شرعی داڑھی

مصنف

ڈاکٹر علامہ مفتی ابوبکر قادری عطاری مدظلہ العالی

دارالافتاء اہلسنت

باہتمام

حافظ محمد کاشف اشرفی عطاری

پبلشرز

قطب مدینہ پبلیشرز

عطاری کتب خانہ، G.K.2/44 شہید مسجد کھارادر، کراچی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ وعلی آلک واصحابک یاحبیب اللہ

دارالافتاء اہلسنت

ٹرسٹ رجسٹرڈ

جامع مسجد کنزالایمان، بابری چوک، گرومندر، کراچی 74800 پاکستان

E-Mail :ahlaysunnat@cyber.net.pk -Fax4855174 -Phone: 4855174

رجسٹر نمبر ____

تاریخ ____

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ لوگ (دعوت اسلامی والے) ہر سبز عمامہ والے کو مدینہ کہہ کر پکارتے ہو کیا ایسا کرنا جائز ہے۔

ایک سائل

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام : تین اہم فتاوی

مصنف : ڈاکٹر علامہ مفتی ابوبکر قادری، عطاری مدظلہ العالی

دارالافتاء اہلسنت

بااہتمام : حافظ محمد کاشف اشرفی عطاری

اشاعت اول : جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ بمطابق ستمبر 2001ء

قیمت : روپے

مطبع مدینہ پبلشرز

عطاری کتب خانہ، G.K.2/44 شہید مسجد کھارادر، کراچی۔

فون: 0303-7234660

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الوهاب

اللهم هداية الحق والصواب

مسلمان کو خطاب کے وقت یا دیگر جائز مواقع پر لفظ "مدینہ" کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس مقدس لفظ "مدینہ" کے استعمال کے جواز کے دو جوابات ہیں ایک تو الزامی اور دوسرا تحقیق۔ الزامی تو یہ ہے کہ عام طور پر گفتگو میں علماء کے لئے خصوصاً اور دیگر افراد کے لئے عموماً خطاب کے لیے قبلہ و کعبہ وغیرہ مقدس اسماء استعمال کیے جاتے ہیں اور بعض کا تو تکیہ کلام ہی یہی الفاظ ہوتے ہیں اگرچہ یہ الفاظ ذو معنی ہیں مگر بیت اللہ شریف زادہ اللہ فرفا و تعظیما کے لیے خصوصی طور پر استعمال کیے جاتے ہیں اور عوام تو اکثر اس سے بیت اللہ شریف ہی مراد لیتے ہیں دوسرے معنی کا تو انھیں علم بھی نہیں ہوتا ہے۔ اسکے باوجود اسے کوئی ناجائز نہیں کہتا۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ اس سے بیت اللہ شریف کی توہین ہوتی ہے یا ان الفاظ کے اسطرح استعمال سے بیت اللہ شریف کی اہمیت وہیبت دلوں سے کم ہو جائے گی یا یہ یہودیوں کی سازش ہے علماء کرام نے ان اوہام باطلہ کو اہمیت نہیں دی اس لئے مجدد دین وملت امام اہل سنت الشاہ امام احمد رضا

خان علیہ رحمۃ الرحمن باوجود یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ منکرات کا رد فرمایا اور کبھی بھی حق کہنے سے خاموش نہ رہے ان الفاظ یعنی کعبہ وقبلہ کے استعمال کو جائز رکھا۔ خود آپ رضی اللہ عنہ کو فتاوی رضویہ شریف میں کئی مقامات پر ان الفاظ سے مخاطب کیا گیا مثلاً فتاوی رضویہ جلد ششم صفحہ ۴ پر آپ رضی اللہ عنہ کو یوں خطاب کیا گیا "قبلہ کونین وکعبہ دارین..... " فتاوی رضویہ جلد ششم ہی کے صفحہ ۵۳۵ پر یوں مخاطب کیا گیا "قبلہ دوجہاں وکعبہ دین وایمان دامت برکاتھم العالیہ....."

اسی جلد میں صفحہ ۹۶ پر یوں مخاطب کیا گیا "حضرت مولانا صاحب قبلہ مدظلکم اللہ تعالی" صفحہ نمبر ۱۳۴ ج ۱۰ میں یوں "زبدۃ المحققین قبلہ نمائے آیات اولین....." جلد دہم حصہ دوم صفحہ ۳۱۰ پر یوں "قبلہ من مدظلہ ..... جلد دہم" اسی دسویں جلد حصہ دوم صفحہ ۳۱۱ پر یوں "قبلہ جانم وکعبہ ایمانم....." لہٰذا لفظ "مدینہ" استعمال کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

ثانیاً :- عام بول چال میں تخاطب کے لیے جناب، بھئی ابے، اوہ، ہیلو وغیرہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جن پر آخرت میں کچھ بھی اجر نہ ملے گا ہم لوگ اس قسم کے الفاظ سے بچنے کے لیے لفظ "مدینہ" بہیت عبادت بلند آواز میں کہتے ہیں اور اس کے ضمن میں سامنے والا متوجہ

کہ جسے حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ نے اشعۃ اللمعات کے حوالے سے نقل فرمایا آپ علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ ''امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنی تاریخ میں روایت کی کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جو ایک بار مدینہ کو یثرب کہے وہ کفارہ کے لئے دس بار مدینہ کہے۔''

(مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح ج ۶ ص ۲۹۴ نعیمی کتب خانہ گجرات)

اس حدیث شریف سے پتہ چلا کہ مدینہ شریف کو یثرب کہنا گناہ ہے لہٰذا اس کے کفارہ میں دس مرتبہ ''مدینہ'' کہنے اور استغفار کا حکم دیا گیا اور یہ بات اہل علم جانتے ہیں کہ گناہ کے کفارے میں نیکی ہی کی جاتی ہے۔

کما قال علیہ الصلوۃ و السلام: واتبع السیئۃ الحسنۃ تمحھا ''اور تو گناہ کے بعد نیکی کرلے وہ گناہ کو مٹا دیگی''۔ لہٰذا مدینہ منورہ کا ذکر کرنا عبادت ہے۔

ثالثاً:- لفظ ''مدینہ'' کے مذکورہ استعمال سے یہ سعادت حاصل ہو جائیگی کہ ہمارے نامۂ اعمال میں فضول الفاظ کے بجائے مدینہ مدینہ..... ہی لکھا جائیگا۔ کیونکہ انسان جو کچھ بولتا ہے وہ اسکے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید (کھف آیت ۱۸) ''کوئی بات وہ زبان

بھی ہو جاتا ہے اور بالفرض غلط بعض کے نزدیک ایسے موقع پر لفظ ''مدینہ'' کا استعمال منع بھی ہو تو مگر بنیت عبادت درست ہو جائے گا کیونکہ یہ فقہ کا قاعدہ ہے کہ ''کم من اشیاء تجوز فی ضمن اشیاء اخری۔'' یعنی کتنی ہی اشیاء ہیں جو دیگر اشیاء کے ضمن میں جائز ہو جاتی ہیں چونکہ یہاں بھی عبادت مقصود ہے تخاطب تو اس کے ضمن میں حاصل ہوا ہے اور ذکر مدینہ شریف کے عبادت ہونے پر درج ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں

۱) من قال للمدینہ یثرب فکفارتہ ان یقول المدینۃ عشر مرات

(رواہ الحاکم فی تاریخہ عن عامر بن ربیعہ)

[کنز العمال ج ۱۲ ص ۱۱۶ رقم الحدیث ۳۴۹۳۸]

۲) من سمی المدینہ یثرب فلیستغفر اللہ ھی طابۃ ھی طابۃ (رواہ احمد فی مسندہ عن البراء رقم الحدیث ۱۸۵۴۴ ج ۶ ص ۴۰۹ و رواہ الخطیب فی المتفق و المفترق بلفظ ھی طابۃ ثلاث مرات رقم الحدیث ۳۴۹۳۷ کنز العمال ج ۱۲ ص

اللھم اجعلنا منھم

خدا گر قیامت میں فرمائے مانگو
لگائیں گے دیوانے نعرہ مدینہ
مدینہ مدینہ ہمارا مدینہ
ہمیں جان و دل سے ہے پیارا مدینہ

رابعاً:

الحمد للہ ثم الحمد للہ ہم مدینہ شریف سے محبت کرتے ہیں اور اہل دل حضرات جانتے ہیں کہ یہ محبت کا قاعدہ ہے کہ انسان جس سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر بھی کثرت سے کرتا ہے جیسا کہ زرقانی علی المواہب میں ہے:

من احب شیأ اکثر ذکرہٗ "جو کسی شئ سے محبت کرتا ہے اسکا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔"

(ذکر مصطفیٰ ﷺ مؤلف علامہ حسان رضا القادری الحنفی ص ۱۰)

مذکورہ عبارت اس بات پر صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ کثرت ذکر کا سبب محبت ہے نہ کہ توہین۔

علامہ زرقانی علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں: علامۃ المحبین کثرۃ الذکر للمحبوب علی طریق الدوام لا یقطعون ولا یملون ولا یفترون

سے نہیں نکالتا کہ اسکے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔" (کنزالایمان)

حافظ ابن کثیر نے اس آیت کے تحت امام حسن اور قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا قول نقل فرمایا کہ ان کے نزدیک ہر وہ بات لکھ لی جاتی ہے جسے انسان بولتا ہے

(تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۲۸۶ مطبوعہ دمشق و ریاض)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ نے ایک قول یہ بھی نقل فرمایا کہ "یہ فرشتے آدمی کی ہر بات لکھتے ہیں آدمی کا کراہنا تک۔"

لہٰذا آدمی جو بات بھی کہے گا وہ اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جائے گی اور یہ سب کچھ بروز قیامت پڑھنا بھی ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اقرأ کتابک ، کفی بنفسک الیوم علیک حسیباً ○ (بنی اسرائیل آیت ۱۴) "اپنا نامۂ اعمال پڑھ آج تو خود ہی اپنا حساب پڑھنے کو بہت ہے۔" (کنزالایمان)

لہٰذا ہر شخص اپنے اپنے مذاق کے مطابق کہے ہوئے الفاظ پڑھے گا مگر عاشقانِ مدینہ کی تو عجیب ہی شان ہوگی۔ وہ قیامت کے دن بھی انشاء اللہ تعالیٰ مدینہ، مدینہ.....ہی کہیں گے۔

وقد اجمع الحکماء علی ان من احب شیأ اکثر من ذکرہ فذکر المحبوب ھو الغالب علی قلوب المحبین لا یریدون بہ بدلا ولا یبغون عنہ حولا ولو قطعوا عن ذکر محبوبھم نفد عیشھم وما تلذذ المتلذذون بشئ الا من ذکر المحبوب۔

''محبت کرنے والوں کی علامت ہیشگی کے ساتھ محبوب کا کثرت سے ذکر کرنا ہے اس طرح سے کہ نہ اس کو کبھی چھوڑتے ہیں اور نہ ہی اس سے جدا ہوتے ہیں اور نہ ہی اس سے کوتاہی کرتے ہیں حکماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو کسی شئ سے محبت کرتا ہے تو اسکا ذکر کثرت سے کرتا ہے اور محبوب کا ذکر محبین کے قلوب پر غالب رہتا ہے اور وہ اسکا کوئی بدلہ بھی نہیں چاہتے اور نہ ہی اس سے پھرنا چاہتے ہیں اور اگر ان سے ان کے محبوب کا ذکر چھوٹ جائے تو بالضرور ان کی زندگی تباہ ہوجائے اور لذت پانے والے محبوب کے ذکر کے علاوہ کسی بھی شئ میں لذت نہیں پاتے۔''

(ذکر مصطفی ﷺ مؤلف علامہ حسان رضا القادری الحنفی ص ۱۰،۱۱)

مذکورہ اقتباس سے اہل فہم پر یہ بات مزید واضح ہوگئی ہوگی کہ

کثرت ذکر کا سبب عشق ومحبت ہوتا ہے نہ کہ توہین وتحقیر۔

بعض حضرات کو یہ اعتراض ہے کہ آپ صرف مدینہ ہی کہتے ہیں اس مقدس لفظ کے ساتھ کوئی تعظیم کا لفظ کیوں نہیں بولتے اور یہ بے ادبی ہے حالانکہ سلف صالحین نے کبھی بھی مدینہ منورہ کا تذکرہ تعظیم کے لفظ کے بغیر نہیں کیا۔

فقیر اس اعتراض کے سلسلے یہی کہے گا یہ اعتراض خلاف واقع ہونے کی وجہ سے مبنی بر حقیقت نہیں ہے۔ اولا تو اس اعتراض سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ معترض کے خودساختہ اصول کے مطابق کوئی بھی شخص اگر کسی معزز کے ساتھ تعظیم کا لفظ ذکر نہ کرے تو یہ بے ادبی ہے۔ اور یہ ایسی بات ہے جو سراسر قرآن اور حدیث اور کتب فقہ کی کئی عبارتوں سے متصادم ہے۔ اور اہل علم اس سے بخوبی واقف ہیں۔ ثانیا معترض کا یہ کہنا کہ سلف صالحین نے کبھی بھی مدینہ منورہ کا تذکرہ تعظیم کے لفظ کے بغیر نہیں کیا، خلاف واقعہ ہے کیونکہ علماء کرام کی کتابوں میں اس کی بہت سی مثالیں آسانی سے مل جاتی ہے جس میں انھوں نے کسی معظم دینی کا تذکرہ تو کیا مگر اس کے ساتھ تعظیم کا کلمہ ذکر نہ کیا۔ اس موقع پر مدینہ منورہ سے متعلق مثال دینا انسب ہے۔ مثلا مولانا حسن رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ذوق نعت میں فرماتے ہیں:

''عجب رنگ پر بہار مدینہ کہ سب جنتیں ہیں نثار مدینہ''

اسی طرح فتاوی رضویہ میں اعلحضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمان نے کئی مقامات پر مدینہ شریف کا ذکر بغیر کلمہ تعظیم کے فرمایا اس کی دو مثالیں درج ذیل ہیں

''حضور اقدس سرور دو عالم ﷺ فرماتے ہیں' وہ اسے یثرب کہتے ہیں اور وہ تو مدینہ ہے۔''

اور فرماتے ہیں ﷺ ''بیشک اللہ تعالی نے مدینہ کا نام طابہ رکھا''۔

(فتاوی رضویہ جلد ۱۰ صفحہ)

ممکن ہے کہ کوئی نہ ماننے والا اس بات کو یوں کہہ کر رد کر دے کہ ان تینوں مثالوں سے اپنے مدعا پر استشہاد کرنا درست نہیں کیونکہ مولانا حسن رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے اگر مدینہ منورہ کا تذکرہ بغیر کلمہ تعظیم کے کیا ہے تو وہ صرف رعایت شعری کی وجہ سے کیا ہے اور نظم میں وہ رعایتیں ہیں جو نثر میں نہیں ۔ جبکہ امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے ان مثالوں میں کلمہ تعظیم استعمال نہیں کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ احادیث کا ترجمہ ہیں اور ترجمہ کرنے میں یہ مترجم کی دیانت داری ہوتی ہے کہ وہ اتنا ہی لکھے جتنا کہ اصل مضمون ہو۔ فقیر اس بارے میں اتنا

ہی کہے گا کہ آپ کی یہ تاویل اس مقام پر تو ٹھیک ہے مگر درج ذیل مقامات پر آپ کی یہ تاویل کوئی فائدہ نہ دیگی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں فضائل مدینہ منورہ پر پورا باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے'' فضائل المدینۃ'' یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ مدینہ تو لکھا مگر کوئی کلمہ تعظیم ذکر نہیں کیا۔

(صحیح البخاری جلد ۱ صفحہ ۲۵۱ قدیمی کتب خانہ)

اسی طرح علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک مقام پر مدینہ منورہ کا تذکرہ کیا مگر ساتھ میں کوئی کلمہ تعظیم ذکر نہیں کیا آپ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''اربعین میلا من المدینۃ''

(عمدۃ القاری جلد ۴ صفحہ ۲۶۹ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)۔

علامہ احمد بن علی المعروف بابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں'' وھو جبل بالمدینہ کما سنوضحہ'' (فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۵۶۵ مطبوعہ دارالفکر بیروت)۔

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری لکھتے ہیں ''علم ان للمدینۃ حرمۃ عندنا''

(مرقاۃ جلد ۵ صفحہ ۶۰۷ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

اعلحضرت امام اہلسنت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خان

محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: " سیدنا امام مالک صاحب المذہب عالم المدینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ.....

(فتاوی رضویہ جلد ۱۲ صفحہ ۸۸ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی)

صدر الشریعۃ مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں" اہل مدینہ کے ساتھ برائی کرنے کے نتائج"

(بہار شریعت جلد ۲ حصہ ۶ صفحہ ۹۴ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور)

خلیفہ اعلیحضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہما لکھتے ہیں

"It is very commendable for a pilgrim to pay a visit to the Mausoleum of the Madina"(Elementry Holy Prophet at teachings of Islam Page 87 Printed by: Taj company LTD Karachi)

اب فقیر معترض سے دریافت کرتا ہے کہ کیا ان تمام بزرگوں نے مدینہ منورہ کے ذکر کے ساتھ کلمہ تعظیم ذکر نہ کر کے بے ادبی کا ارتکاب کیا ہے (معاذ اللہ)۔ یہاں پر معترض نہ تو یوں حیلہ سازی کر سکتا ہے کہ رعایت شعری کی وجہ سے کلمہ تعظیم ذکر نہیں کیا گیا اور نہ یوں کہ اس مقام پر ان بزرگ حضرات نے ترجمہ کی وجہ سے ایسا کیا ہے کیونکہ یہ نہ تو شعری عبارتیں ہیں اور نہ ہی کسی عبارت کا ترجمہ ہیں۔ تو ظاہر ہوا کہ معترض کا

اعتراض بے اصل ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو سوئے ظن، حسد اور بے جا اعتراضات کرنے سے بچائے اور تاجدار مدینہ ﷺ اور مدینہ منورہ حفظہا اللہ تعالیٰ کی محبت عطا فرمائے۔ (آمین)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ

محمد ابوبکر صدیق عطاری

۱۹ ربیع الغوث ۱۴۲۲ھ، ۱۳ جولائی ۲۰۰۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ وعلی آلک واصحابک یا حبیب اللہ

دار الافتاء اہلسنت

ٹرسٹ رجسٹرڈ

جامع مسجد کنزالایمان، باہری چوک، گرومندر، کراچی 74800 پاکستان
E-Mail :ahlaysunnat@cyber.net.pk -Fax4855174 -Phone: 4855174

ریفرنس نمبر ____

تاریخ ____

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ محفل نعت میں بعض لوگ اچھل کود اور رقص کرتے ہیں نیز اپنے پیر صاحب کی آمد پر خوشی کے باعث یا اپنا کوئی مطالبہ منوانے کیلئے بھی اسی طرح کا انداز اختیار کرتے ہیں جو بے خودی میں ایسی حرکات کا ارتکاب کرے تو یہ سمجھ میں آتا ہے مگر جو ہوش وحواس درست ہونے کے باوجود قصداً ایسا کرے اس کیلئے شرعاً کیا حکم ہے؟ مہربانی فرما کر عقلی ونقلی دلائل سے مسئلہ واضح کریں عربی عبارات کا ترجمہ بھی فرمادیں۔ بینوا توجروا

سائل

دھمال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الوهاب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر یہ وجد یعنی اچھل کود رقص ممنوعات شرعیہ مثل ریا وقواعد رقص وغیرہ پر مشتمل ہو تو ناجائز ورنہ جائز ہے علامہ خیر الدین رملی علیہ الرحمۃ سے جب سوال کیا گیا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر ذکر اذکار کرتے ہیں اور دوران ذکر اچھل کود رقص کرتے ہیں۔ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسکے جواب میں خوب تحقیق فرمائی اور رقص کے بارے میں فرمایا" واما الرقص فقد للفقهاء كلام منهم من منعه ومنهم من لم يمنع حيث وجد لذة الشهود و غلب عليه الوجد واستدلوا بما وقع لجعفر بن ابی طالب لما قال له عليه الصلوة والسلام اشبهت خلقی وخلقی و فی لفظ جعفر أشبه النا می خلقا و خلق فجعل ای یمشی علی رجل واحد و فی روایة رقص من لذة هذا الخطاب و لم ينكر عليه ﷺ رقصه وجعل ذلك اصلا لجواز رقص الصوفية عند ما يجدونه من لذة المواجيد فی مجالس الذكر والسماع و فی التتارخانيه ما يدل على جواز للمغلوب الذی حركاته كحركات المرتعش وبهذا

افتى البقالى وبرهان الدين ابناسى و بمثله اجاب بعض الحنفية والمالكية وكل ذلك اذا حصلت النية و كانوا صادقين فی الوجد مغلوبين فی القيام والحركة فی شدة الهيام والتمى قد يتصف تارة بالحلال وتارة بالحرام باختلاف القصد والمرام۔

فتاوی خیریہ میر محمد کتب خانہ کراچی حصہ دوئم صفحہ ۱۸۲

ترجمہ:- رقص میں فقہاء کو کلام ہے بعض نے اسے منع فرمایا اور بعض نے اسے جائز فرمایا جبکہ واجد کو لذت شہود حاصل ہو اور اس پر وجد غلبہ کر جائے اور اس پر استدلال جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فعل سے کیا کہ جب نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "تم سیرت وصورت میں میرے مشابہ ہو۔" ایک روایت میں ہے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ جعفر رضی اللہ عنہ سیرت وصورت میں میرے مشابہ ہیں تو جعفر رضی اللہ عنہ ایک پاؤں پر چلنے لگے۔"

اور ایک روایت ہے کہ جعفر رضی اللہ عنہ اس خطاب کی لذت سے رقص کرنے لگے مگر نبی کریم ﷺ نے انکے رقص پر انکار نہ فرمایا اس حدیث کو اصل بنایا گیا ہے صوفیاء کرام کے رقص کیلئے جب وہ مجالس ذکر وسماع میں لذت وجد سے دوچار ہوتے ہیں۔

۲ تاتارخانیہ کی عبارت بھی مغلوبین کی ان حرکات جو کہ مرتعش کی حرکات کی طرح ہوتی ہے کے جواز پر دلالت کرتی ہے اسی پر ہدایہ فی و برہان الدین ابناسی رحمہم اللہ نے فتوی دیا اور اسی کے مثل بعض ائمہ حنفیہ و مالکیہ نے فتوی دیا اور یہ جواز اسی صورت میں ہے کہ جب نیت خالص ہو اور وجد میں صادق ہوں اور کھڑے ہونے پر مجبور ہوں اور ان کی یہ حرکت شدت عشق کی وجہ سے ہو مقاصد کے اختلاف کی وجہ سے ایک ہی چیز کبھی حلال ہو جاتی ہے اور کبھی حرام۔"

جب یہی سوال حافظ ابن حجر الہیتمی رحمہ اللہ سے کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: نعم لہ اصل فقد روی فی الحدیث ان جعفر بن ابی طالب ﷺ رقص بین یدی النبی ﷺ لما قال لہ اشبہت خلقی و خلقی وذلک من لذۃ ھذا الخطاب ولم ینکر علیہ ﷺ وقد صح القیام والرقص فی مجالس الذکر والسماع عن جماعۃ من کبار الائمۃ منھم عز الدین شیخ الاسلام ابن عبد السلام۔

﴿فتاوی حدیثیہ میر محمد کتب خانہ ص ۲۹۸﴾

ترجمہ:- ہاں اس کیلئے اصل ہے تحقیق حدیث شریف میں روایت کیا گیا ہے کہ جعفر ﷺ نے نبی مکرم ﷺ کے سامنے رقص کیا جب

آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم سیرت وصورت میں میرے مشابہ ہو اور رقص نبی اکرم ﷺ کے خطاب کی لذت کی وجہ سے تھا اور نبی کریم ﷺ نے اس فعل سے منع بھی نہیں فرمایا تحقیق بڑے بڑے ائمہ کرام جن میں عزالدین شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالی بھی شامل ہیں مجالس ذکر وسماع میں قیام ورقص ثابت ہے۔"

اسی طرح اپنے پیر کی آمد پر یا ان سے کوئی مطالبہ منوانے کیلئے مسجد میں وجد وتواجد کے اظہار کرنے کا معاملہ ہے اگر وہ مطالبہ جائز ہو اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو تو اسکے جواز میں کوئی شک نہیں ہے، علامہ خیر الدین رملی علیہ الرحمۃ سے جب اسی قسم کا سوال کیا گیا اور کہا گیا

ویقولون یا شیخ عبد القادر یا شیخ احمد یار رفاعی شیئاً للہ یا عبد القادر و نحو ذلک ویحصل لھم فی اثناء الذکر وجد عظیم و حال یعقد ویقیم فیرفعون اصواتھم بالذکر۔

﴿فتاوی خیریہ میر محمد کتب خانہ جلد دوئم ص ۱۸۰﴾

ترجمہ:- وہ لوگ کہتے ہیں یا شیخ عبد القادر یا شیخ احمد یا رفاعی شیئاً للہ یا عبد القادر (کچھ نظر کرم فرمایئے اللہ کے واسطے اے عبد القادر) اور اسکے مثل دیگر کلمات۔ اس ذکر کے دوران انہیں وجد عظیم لاحق ہوتا ہے

اوران پر حال طاری ہوتا ہے جو انہیں بٹھاتا اور کھڑا کرتا ہے چنانچہ وہ لوگ اس ذکر سے اپنی آوازوں کو بلند کرتے ہیں

تو آپ حضرت نے مسجد میں اسطرح کے عمل کو نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ اسکے انکار کرنے والوں کا رد فرمایا۔ من شاء التفصیل فلیراجع الفتاوی الخیریہ

اسی طرح تواجد کا معاملہ ہے تواجد یہ ہے کہ وجد حقیقی تو نہ ہو مگر اہل حال کی پیروی کی نیت سے انہی جیسی حرکات کرنا اگر یہ ریاء کاری سے پاک ہو تو محمود ہے امام غزالی علیہ الرحمۃ اس بارے میں رقمطراز ہیں:

واعلم ایضا ان الوجد ینقسم الی هاجم والی متکلف ویسمی التواجد وهذا التواجد المتکلف فمنه مذموم وهو الذی یقصد به الریاء واظهار الاحوال الشریفة مع الافلاس منها ومنه ماهو محمود و هو التوسل الی استدعاء الاحوال الشریفة واکتسابها واجتلابها بالحیلة فان للکسب مدخلا فی جلب الاحوال الشریفة ولذلك امر رسول الله ﷺ من لم یحضره البکاء فی قراة القرآن ان یتباکی و یتحاذن فان هذه الاحوال قد تتکلف مبادیها و تنتحق او اخرها۔

وکیف لا یکون التکلف سببا فی ان یصیرا المتکلف فی الآخرة طبعا کل من یتعلم القرآن اولا لا یحفظه تکلفا ویقرؤه تکلفا مع تمام التامل واحضار الذهن ثم یصیر ذلك للسان مضردا حتی یجری به لسانه فی الصلوة وغیرها وهو غافل فیقرأ تمام السورة وتثوب نفسه الیه بعد انتهائه الی آخرها ویعلم انه قرأها فی حال غفلته وکذلك الکاتب یکتب فی الابتداء بجهد شدید ثم تتمرن علی الکتابة یده فیصیر الکتب له طبعا فلیکتب اوراقا کثیرة وهو مستغرق القلب بذکر آخر فجمیع ما تحتمله النفس والجوارح من الصفات لا سبیل الی اکتسابه الا بالتکلف و التصنع اولاً ثم یصیر بالعادة طبعا وهو المراد بقول بعضهم - العادة طبعیة خامسة فکذلك الاحوال الشریفة لا ینبغی ان یقع الیاس منها عند فقدها بل ینبغی ان یتکلف اجتلابها بالسماع وغیره فلقد شوهد فی العادات من اشتهی ان یعشق شخصاً ولم یکن یعشقه فلم یزل یردد ذکره علی نفسه ویدیم النظر الیه ویقرر علی نفسه الاوصاف المحبوبة

والاخلاق المحمودة فيه حتى عشقه ورسخ ذلك فى قلبه رسوخا خرج عن حد اختياره فاشتهى بعد ذلك الاخلاص منه فلم يتخلص فكذالك حب الله تعالىٰ والشوق الى لقائه والخوف من سخطه وغير ذالك من الاحوال الشريفة اذا فقدها الانسان فينبغى ان يتكلف اجتلابها بمجالسة الموصوفين بها و مشاهدة احوالهم و تحسين صفاتهم فى النفس بالجلوس معهم فى السماع وبالدعاء والتضرع الى الله تعالىٰ فى ان يرزقه تلك الحالة بان يسير له اسبابها۔

﴿احیاء العلوم دارالاحیاء التراث العربی بیروت ج۲ص۹۶۔۲۹۵﴾

ترجمہ:- تو یہ بھی جان لے کہ وجد کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) بے تکلف وجد (۲) باتکلف وجد

اور یہ دوسری قسم تو اجد کہلاتی ہے پھر تواجد کی بھی دو قسمیں ہیں۔

ایک مذموم کہ جس کے ذریعے ریاکاری کا ارادہ کیا جائے اور باطن کے خالی ہونے کے باوجود احوال شریفہ کے اظہار کی نیت کی جائے۔

دوسری قسم محمود ہے کہ جس کے ذریعے احوال شریفہ کے حصول و اکتساب کی کوشش کی جائے کیونکہ احوال شریفہ کے حصول میں کسب کا دخل

ہے اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا ہے اس شخص کے لئے رونے جیسی صورت بنانے کا کہ جسے قراءت قرآن میں رونا نہ آئے۔ چنانچہ ان احوال کے مبادی میں تکلف کیا جائے تو اس کے اواخر متحقق ہوتے ہیں اور متکلف کی طبیعت میں تکلف کیوں نہ سبب بنے گا کہ ہر قرآن سیکھنے والا ابتداء تکلف ہی سے حفظ کرتا ہے اور تامل ہی کے بعد تکلف ہی سے قراءت کرتا ہے۔ یہانتک کہ نماز وغیرنماز میں اسکی زبان پر قراءت جاری ہوجاتی ہے اس حال میں کہ وہ غافل ہوتا ہے پس وہ پوری سورت پڑھ لیتا ہے اور پوری قراءت درست ہوتی ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس نے اسے غفلت کی حالت میں پڑھا ہے ایسے ہی کاتب کا معاملہ ہے ابتداء تو بہت مشکل سے لکھ پاتا ہے پھر کتابت پر اس کا ہاتھ چل پڑتا ہے اور لکھنا اس کی طبیعت میں شامل ہوجاتا ہے یہاں تک کہ وہ بہت زیادہ صفحات لکھ لیتا ہے باوجودیکہ اس کا دل کسی اور فکر میں مستغرق ہوتا ہے پس وہ تمام صفات جن کا احتمال نفس وجوارح میں پایا جاتا ہے وہ ابتداء تکلف و بناوٹ ہی کے ذریعے سے کسب کی جاتی ہیں پھر عادت کے ذریعے سے طبیعت کا حصہ بن جاتی ہیں اور بعض علماء کے قول کے مطابق عادت پانچویں طبیعت ہے سے یہی مراد ہے چنانچہ یہی معاملہ احوال شریفہ (وجد) کا ہے انسان کو وجد نہ ہونے کی وجہ سے مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے چاہیے کہ سماع وغیرہ کے

ذریعے اس کے حصول کی کوشش کرے تحقیق اس بات کا عادۃً مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جب کوئی کسی شخص سے عشق کرنے کی خواہش رکھتا ہے حالانکہ اس وقت دل میں اس شخص کیلئے عشق نہیں ہوتا پھر وہ اس کی یاد میں لگ جائے اور اپنی فکر کو اسی جانب متوجہ کرے اور خود اپنی ذات میں اسکے اوصاف محبوبہ اور اخلاق محمودہ کو مقرر کرے تو بالآخر عشق کی خواہش کرنے والے کے دل میں ایسا عشق پیدا ہوتا ہے کہ اسکے اختیار سے باہر ہو جاتا ہے پھر اگر وہ اس عشق سے چھٹکارا بھی چاہے تو چھٹکارا نہیں پا سکتا ہے ایسا ہی معاملہ اللہ تعالیٰ کی محبت، اس سے ملاقات کا شوق، اسکے غضب کے خوف وغیرہ دیگر احوال شریفہ کا ہے پس اگر کوئی ان احوال شریفہ سے خالی ہو تو اسے چاہیے کہ وہ ان احوال شریفہ سے متصف لوگوں کی بیٹھک، ان کے احوال کے مشاہدے، اپنے نفس میں ان کی صفات کی تحسین کرے، ان کے ساتھ مجلس سماع میں بیٹھ کر ان احوال شریفہ کے لئے کسب کرے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں عاجزی کرے اور دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے وہ حالت عطا فرمائے کہ جس کے ذریعے احوال شریفہ کے کسب کے اسباب میسر آجائیں۔

علامہ خیر الدین رملی علیہ الرحمۃ نے بھی مسجد میں حسن نیت کے ساتھ مغلوبین حال کی پیروی میں اچھلنے، کودنے اور بے ہنگم رقص کرنے کے جواز کا قول فرمایا اور اس پر احادیث سے استدلال فرمایا آپ علیہ الرحمۃ

فرماتے ہیں۔

وفی شرح الجامع الصغیر للمناوی فی قوله ﷺ من احب قوماً حشره الله تعالیٰ فی زمرتهم قال من احب اولیاء الرحمن فهو فی الجنان ومن احب حزب الشیطان فهو معهم فی النیران وفیه اشارة عظیمة لمن احب الصوفیة او تشبه بهم و انه یکون مع تفریطه بالقیام بما هم علیه فی الجنة و من تشبه بهم انما فعل ذلك لمحبته ایاهم

﴿ فتاویٰ خیریہ میر محمد کتب خانہ حصہ دوم ص ۱۸۰ ﴾

ترجمہ:- علامہ مناوی علیہ الرحمۃ کی شرح الجامع الصغیر میں نبی کریم ﷺ کے قول مبارک جو کسی قوم سے محبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں کے زمرے میں اس کا حشر فرمائے گا۔'' کے بارے میں ہے کہ فرمایا جو رحمٰن عزوجل کے اولیاء سے محبت رکھتا ہے وہ جنت میں ہے اور جو شیطانی جماعت سے محبت رکھتا ہے تو وہ انکے ساتھ آگ میں ہے۔ اس میں عظیم اشارہ ہے اس شخص کیلئے جو صوفیائے کرام سے محبت رکھتا ہے یا ان کی مشابہت کرتا ہے وہ اپنے قیام میں تفریط کے باوجود ان کے ساتھ جنت میں ہوگا اور جو ان کی مشابہت کرتا ہے تو وہ دراصل ان سے محبت کی وجہ سے

کرتا ہے۔"

اعلیحضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن نے بھی مغلوبین حال کی پیروی میں حسن نیت سے تواجد کرنے کو نہ صرف جائز بلکہ محمود قرار دیا ہے آپ ؒ فرماتے ہیں:

ثم قال ولا شك ان التواجد وهو تكلف الوجد واظهاره من غير ان يكون له وجد حقيقة فيه تشبه باهل الوجد الحقيقي وهو جائز بل هو مطلوب شرعا قال رسول الله ﷺ من تشبه بقوم فهو منهم رواه الطبراني في الاوسط عن حذيفة اليمان رضي الله تعالى عنهما و انما كان المتشبه بالقوم منهم لان تشبهه بهم يدل على حبه اياهم ورضاه باحوالهم وافعالهم و قد قال رسول الله ﷺ ان الرجل اذا رضي هدي الرجل و عمله مثله فهو مثل عمله رواه الطبراني من حديث عقبة بن عامر ؓ (الى ان قال بعد ما اطال واطاب كما هو دأبه قدس سره) اما تكلف الوجد على الوجه الصحيح لاجل التشبه بالصالحين ولغير ذالك من المقاصد الحسنة فقد اشار اليه العلامة القشيري في اوائل رسالته

المشهورة. حيث قال التواجد استدعاء الوجد بضرب اختيار وليس لصاحبه كمال الوجد اذ لو كان لكان واجدا و باب التفاعل اكثره على اظهار الصفة و ليست كذالك فقوم قالوا التواجد غير مسلم لصاحبه لما يتضمن من التكلف ويبعد عن الحقيقي وقوم قالوا انه مسلم للفقراء والمجردين الذين ترصدوا الوجد ان هذه المعاني واصلهم خبر الرسول ﷺ ابكوا فان لم تبكوا فتباكوا۔ اھ

﴿فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ نصف اول صفحہ ۲۱۴﴾

ترجمہ:- پھر حدیقہ میں فرمایا کہ بلاشبہ باتکلف وجد اور وجد حقیقی نہ ہونے کے باوجود وجد کے اظہار کو تواجد کہتے ہیں تواجد میں حقیقی وجد والوں سے تشبہ ہے اور یہ جائز بلکہ شرعاً مطلوب ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس نے جس قوم کی مشابہت کی وہ انہیں میں سے ہے اس حدیث شریف کو طبرانی نے اوسط میں بروایت حذیفہ بن الیمان ؓ روایت کیا ہے کسی قوم سے مشابہت کرنے والا اسی قوم سے اسلئے ہے کہ اس کا ان لوگوں کی مشابہت کرنا ان لوگوں سے محبت کرنے اور ان کے احوال و افعال سے راضی ہونے کی دلیل ہے تحقیق رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا کہ جب آدمی کسی دوسرے آدمی کی ہدایت سے راضی ہو اور پھر وہ اس پر عمل کرے تو اس کا یہ عمل اسی آدمی کے عمل کے مثل ہے اس حدیث شریف کو طبرانی نے عقبہ بن عامر رض سے روایت کیا ہے (پھر انھوں نے یہاں تک فرمانے کے بعد اپنی عادت کے مطابق خوب اچھا اور طویل کلام کیا) جہاں تک صالحین سے تشبہ اور دیگر مقاصد حسنہ کے حصول کے لیے اختیاری وجد کرنے کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں علامہ ابو القاسم قشیری علیہ الرحمۃ نے رسالہ قشیریہ کی ابتداء میں یہ کہہ کر اشارہ فرمایا کہ تواجد اپنے اختیار سے وجد کو کسب کرنے کو کہتے ہیں حالانکہ اسے وجد نہیں ہوتا ہے کیونکہ اگر اسے حقیقی وجد حاصل ہوتا تو وہ واجد ہوتا تواجد باب التفاعل سے ہے اور باب تفاعل اکثر ایسی صفت کے اظہار کے لئے آتا ہے جو بندہ میں نہ ہو چنانچہ بعض لوگوں نے کہا کہ تواجد اس شخص کیلئے مسلم (سلامتی والا) نہیں ہے جو باتکلف وجد کرتا ہے مگر بعض لوگوں نے کہا کہ یہ ان فقراء اور پرہیز گاروں کے لئے مسلم ہے کہ جو وجد کے منتظر ہوں اسکی اصل رسول اکرم ﷺ کی حدیث ''روؤ اگر رونا نہ آئے تو رونے جیسی صورت بناؤ'' ہے۔

امام اہلسنت رح نے اسی پر بس نہ کی بلکہ ان لوگوں کا رد بھی فرمایا جو متواجدین کی نیت کے بارے میں شک کرتے ہیں آپ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''امام غزالی علیہ الرحمہ اور دیگر اکابر رحمہم اللہ نے فرمایا کہ اچھی نیت سے حالت بناتے بناتے حقیقت مل جاتی ہے اور تکلف دفع ہو کر تواجد سے وجد ہو جاتا ہے۔ تو یہ ضرور محمود ہے مگر اسکے لئے خلوت مناسب ہے۔ مجمع میں ہونا اور ریا سے بچنا دشوار ہے پھر بھی دیکھنے والوں کیلئے بدگمانی حرام ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے:

" یا ایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم "

اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو کہ کچھ گمان گناہ ہیں۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث

گمان سے بچوں کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے۔ جسے وجد میں دیکھو یہی سمجھو کہ اسکی حالت حقیقی ہے اور اگر تم پر ظاہر ہو جائے کہ وہ ہوش میں ہے اور باختیار ایسی حرکات کر رہا ہے تو اسے صورت دوم پر محمول کرو جو محمود ہے یعنی محض اللہ کیلئے نیکوں سے تشبہ کرتا ہے نہ کہ لوگوں کے دکھاوے کو ان دونوں صورتوں میں نیت ہی کا فرق ہے اور نیت امر باطن جس پر اطلاع اللہ و رسول کو ہے جل وعلا و ﷺ۔ تو اپنی طرف سے بری نیت قرار دے لینا برے ہی دل کا کام ہے آئمہ دین فرماتے ہیں۔

شرعی داڑھی

الظن الخبیث انما ینشأ من القلب الخبیث

خبیث گمان خبیث دل ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

﴿فتاوی رضویہ جلد ۱۰ نصف آخر صفحہ 78﴾

ادعو من اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان یحفظنا من سوء الظن و یحشرنا فی زمرۃ الصوفیاء والصالحین - آمین۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب جل وعلا و ﷺ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کہا جاتا ہے علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلے میں کہ زید نے ایک مشت داڑھی کے وجوب کے رد میں ایک کتاب تصنیف کی ہے اور اس کتاب میں دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایک مشت داڑھی واجب نہیں ہے بلکہ مطلقاً داڑھی واجب ہے۔ اس میں مقدار کی کوئی قید نہیں۔ اس نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے پہلے کسی نے ایک مشت داڑھی کو واجب نہیں کہا ہے۔ زید کے ایک مشت داڑھی کے نفی کے دلائل درج ذیل ہیں۔

۱۔ "بعض علماء کہتے ہیں حضرت ابن عمر اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہما نے قبضے کے بعد داڑھی کاٹی ان کا یہ فعل اس بات کا بیان ہے کہ داڑھی کا بڑھانا قبضہ تک واجب ہے یہ قول درست نہیں صحابہ کرام کے افعال سے کسی چیز کا وجوب کیسے ثابت ہوگا جبکہ نبی کریم ﷺ سے بھی صرف اقوال موجب ہیں اور آپ ﷺ کے صرف انہی افعال سے وجوب ثابت ہوتا ہے جو مجمل کتاب کا بیان ہو اور باقی افعال میں اختلاف ہے اور جمہور کا قول اور مختار یہ ہے کہ آپ ﷺ کے افعال سے وجوب ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ نور الایضاح وتلویح اور نور الانوار کے حوالے سے نقل کر

چکے ہیں۔ ثانیاً امر یہ ہے کہ حضرت ابن عمر اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہما نے قبضے کے بعد داڑھی کاٹی (جس روایات میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مطلقاً داڑھی کاٹنے کا ذکر ہے جن کو ہم بیان کر چکے ہیں) ان کے اس فعل سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جو داڑھی بڑھانے کا حکم دیا تھا انکے نزدیک وہ حکم وجوب کے لئے نہیں تھا اگر ان کے نزدیک یہ حکم وجوب کے لیے ہوتا اور داڑھی بڑھانا واجب ہوتا تو وہ اپنی داڑھیوں کو ہرگز نہ کاٹتے۔

۲۔ "بعض علماء "واعفوا اللحی" میں امر کے صیغے سے استدلال کرتے ہیں کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے لہٰذا داڑھی بڑھانا واجب ہے یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ امر وجوب کے لیے اسوقت ہوتا ہے جب اسکے خلاف قرینہ صارفہ نہ ہو یہاں ایک سے زائد قرائن ہیں امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کو داڑھی کاٹنے کا حکم دیا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کے طولا عرضا داڑھی کاٹ کر کم کرنے کو روایت کیا اور اس حدیث سے ہمارے فقہاء (مثلاً صاحب نہایہ، علامہ عینی، علامہ ابن ہمام رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ) نے استدلال کیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ اور فقہاء

تابعین کے داڑھی کاٹ کم کرنے کے واقعات ہیں جنکا ہم نے شروع میں بحوالہ بیان کر دیا ہے۔"

۳۔ "بعض علماء نے مجھ سے کہا کہ داڑھی بڑھانے کے متعلق بکثرت احادیث ہیں اور داڑھی کاٹنے کے بارے میں اتنی کثیر احادیث نہیں ہیں۔ میں نے کہا کسی مطلوب کے اثبات کے لیے حدیث کا صحیح اور قوی سند کے ساتھ مروی ہونا کافی ہوتا ہے ورنہ شافعی کہہ سکتے ہیں کہ اثبات رفع یدین اور اثبات فاتحہ خلف الامام کے متعلق اسی طرح کندھوں تک ہاتھ اٹھانے اور سینے پر ہاتھ باندھنے کے متعلق جتنی کثیر روایات ہیں اتنی روایات ترک رفع یدین اور ترک فاتحہ خلف الامام، اور کاندھوں تک ہاتھ اٹھانے اور ناف پر ہاتھ باندھنے کے متعلق نہیں ہیں"۔

۴۔ "بعض علماء نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "داڑھی بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو" اور مجوس کی مخالفت واجب ہے اسلیے داڑھی بڑھانا واجب ہوا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ قرائن صارفہ کو دیکھے بغیر اگر محض مخالفت کے حکم سے داڑھی بڑھانا واجب ہوسکتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ داڑھی رکھو اور یہودی مخالفت کرو تو اس حدیث سے داڑھی کا رنگنا واجب ہوگا اور واجب دیگر قرائن کی بناء پر داڑھی کا رنگنا واجب نہیں ہے تو اسطرح متعدد قرائن کی بناء پر داڑھی کا بڑھانا بھی واجب

نہیں ہے کیونکہ اگر داڑھی کا بڑھانا واجب ہوتا تو کاٹنا اول جائز نہ ہوتا حالانکہ ہم کاٹ کر کم کرنے کے جواز کو بالدلائل بیان کر چکے ہیں"۔

۵۔ "بعض علماء کہتے ہیں کہ ایک قبضہ داڑھی رکھنا اسلیے واجب ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس پر مداومت کی ہے اور نبی کریم ﷺ جس کام کو دائمی کریں وہ واجب ہوتا ہے یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے افعال سے وجوب ثابت نہیں ہوتا علاوہ ازیں اس میں بحث ہے کہ داڑھی رکھنا سنن زوائد میں سے ہے یا سنن ھدی میں سے ہے۔ (الفتوی الاسلامیہ من دارالافتاء المصریہ ج ۹ ص ۳۰۸۲) نبی کریم ﷺ نے اعضاء وضو میں ہمیشہ دائیں عضو کو دھونے سے ابتداء کی اس کا خلاف کہیں ثابت نہیں اس کے باوجود دائیں عضو کو پہلے دھونا مستحب ہے واجب نہیں حالانکہ بالاتفاق سنن ھدی سے ہے اسطرح مسجد میں پیر رکھنے، جوتی پہننے اور کنگھی کرنے میں آپ نے ہمیشہ دائیں جانب سے ابتداء کی ہمیشہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھایا اور انکا خلاف کہیں ثابت نہیں اسکے باوجود یہ امور مستحب ہیں واجب نہیں حالانکہ یہ امور بھی سنن ھدی میں سے ہیں"۔

۶۔ "بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ داڑھی میں قبضے کی مقدار کو فقہاء نے واجب کہا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے ہمارے علم کے مطابق شیخ

عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے کسی نے قبضہ کو واجب نہیں لکھا سب نے اس کو سنت لکھا ہے۔

۷۔ ''زید صاحب حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اور ایک متاخر عالم شیخ عبدالحق محدث دھلوی رحمہ اللہ نے محض اپنی رائے سے یہ لکھا کہ قبضہ واجب ہے'' اور فقہاء کی ان عبارات میں سنت سے مراد یہ ہے کہ قبضہ کا وجوب سنت سے ثابت ہے اور بعد کے بعض علماء نے بھی شیخ رحمۃ اللہ کی پیروی کی۔ (واضح رہے کہ شیخ نے قبضہ کو واجب لکھا لیکن وجوب پر کوئی دلیل ذکر نہیں کہ) ہمارے نزدیک شیخ کی یہ تاویل صحیح نہیں ہے کیونکہ تاویل کی ضرورت اسوقت ہوتی ہے جب دلائل شرعیہ اور قواعد فقہیہ سے قبضہ کا وجوب ثابت ہوتا ہو۔ اور اسکے برخلاف فقہاء نے قبضہ کو سنت کہا ہوتا تب یہ کہنا درست ہوتا کہ یہاں سنت سے مراد یہ ہے کہ قبضہ کا وجوب سنت سے ثابت ہے جبکہ یہاں معاملہ اسکے برعکس ہے''۔

۸۔ ''اس سلسلے میں ایک شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ جن حضرات نے قبضہ بھر داڑھی کو سنت کہا ہے ان کی مراد یہ ہے کہ داڑھی میں قبضہ اگرچہ واجب ہے مگر اس کا ثبوت سنت سے ہے جیسا کہ فقہاء کرام نے عید کی نماز

کو باوجود واجب ہونے کے اسی بناء پر سنت کہا ہے اس دلیل میں سخت مغالطہ آفرینی کی گئی ہے نماز عید کا معاملہ یہ ہے کہ نماز عید کے متعلق امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں منقول ہیں ایک میں نماز عید کو واجب کہا ہے اور ایک میں سنت۔ بعض فقہاء مثلاً صاحب ھدایہ نے واجب کے قول کو ترجیح دی ہے اور سنت کے قول کی تاویل کی ہے کہ اس کا ثبوت سنت سے ہے۔ سو اگر داڑھی میں قبضہ کے متعلق بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دو قول ہوتے ایک ''وجوب کا'' دوسرا ''سنت کا'' تو یہ بات درست ہوتی۔

براہ کرم ان اعتراضات کے جواب لکھ کر ہماری علمی الجھن کو دفع فرمائیں۔ اور خوب خوب ثواب پائیں۔

سائل: محمد مبشر عباس

متعلم جامعۃ المدینہ درجہ سابعہ۔ گلستان جوہر کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون العلام الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

الحمد لله الذى زين الرجال باللحى والنساء بالقرون والذوائب والصلوة والسلام على سيد المرسلين الذى كان فخما مفخما يتلالو وجهه تلالو القمر ليلة البدر ازهر اللون واسع الجبين كث اللحية و على اله و اصحابه اجمعين والعاقبة للمتقين اللهم ارنا حقائق الاشياء كما هى هى

علمائے اہلسنت کے نزدیک ایک مشت داڑھی رکھنا واجب اور ایک مشت سے کم کرنا مکروہ تحریمی ہے علمائے اہلسنت میں سے سوائے زید صاحب کے کسی سے اس کا انکار مسموع بھی نہیں ہے ان شاء اللہ تبارک وتعالیٰ ہم اسلاف کرام کی معتمد علیہ کتب سے زید صاحب کا رد بھی پیش کریں گے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے دلائل بھی رقم کریں گے۔

زید نے قبضہ کے وجوب کے قائلین کے دلائل کا جائزہ لیتے ہوئے انکے دلائل کا رد بھی کیا اب ان شاء اللہ تبارک وتعالیٰ ہم انکی

عبارت کو نقل کرینگے دلائل باترتیب من وعن نقل کر کے انکا رد بھی لکھتے جائیں گے اور یہی روش ہمارے موقف پر دارومدار ہے میں ایک مشت قبضے سے وجوب کے دلائل بھی ہونگے

زید صاحب کا اعتراض نمبر ۱

"بعض علماء کہتے ہیں حضرت ابن عمر اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہما نے قبضے کے بعد داڑھی کاٹی ان کا یہ فعل اس بات کا بیان ہے کہ داڑھی کا بڑھانا قبضہ تک واجب ہے یہ قول درست نہیں صحابہ کرام کے افعال سے کسی چیز کا وجوب کیسے ثابت ہوگا جبکہ نبی کریم ﷺ کے بھی صرف اقوال موجب ہیں اور آپ ﷺ کے صرف انہی افعال سے وجوب ثابت ہوتا ہے جو مجمل کتاب کا بیان ہو اور باقی افعال میں اختلاف ہے اور جمہور کا قول اور مختار یہ ہے کہ آپ ﷺ کے افعال سے وجوب ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ ہم ابھی توضیح وتلویح اور نور الانوار کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں ثانیاً ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے قبضے کے بعد داڑھی کاٹی (بعض روایات میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مطلقاً داڑھی کاٹنے کا ذکر ہے جن کو ہم بیان کر چکے ہیں) ان کے اس فعل سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جو داڑھی بڑھانے کا حکم دیا تھا انکے نزدیک وہ حکم وجوب کے لئے نہیں تھا اگر ان کے

نزدیک یہ حکم وجوب کے لئے ہوتا اور داڑھی بڑھانا واجب! تو وہ اپنی داڑھیوں کو ہرگز نہ کاٹتے"۔

مذکورہ بالا عبارت میں زید صاحب نے قبضہ کی دلیل کا رد تین وجوہ سے کیا ہے جو کہ حسب ذیل ہیں

(الف) صحابہ کرام کے افعال سے کوئی وجوب ثابت نہیں ہوتا اس لیے ان کے عمل سے ایک مشت داڑھی کا وجوب ثابت نہ ہوگا

(ب) سرکار دو عالم ﷺ کے انہی افعال سے وجوب ثابت ہوتا ہے جو مجمل کتاب کا بیان ہو اور باقی میں اختلاف ہے

(ج) حضرت ابوہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جو داڑھی بڑھانے کا حکم دیا تھا وہ حکم وجوب کے لیے ہوتا تو وہ ہرگز اپنی داڑھیوں کو نہ کاٹتے"

ان تینوں اعتراضات کا رد حسب ذیل ہے

الجواب (الف)

اہلسنت کے نزدیک صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تقلید واجب ہے کیونکہ یہ وہ مقدس اشخاص ہیں جو نبی کریم ﷺ کی صحبت سے فیضاب ہوئے انھوں نے جو کچھ سیکھا اور سمجھا ہے وہ نبی کریم ﷺ کے افعال اور اقوال و تقریری سے سیکھا اور سمجھا ہے اور اگر یہ لوگ اپنے اجتہاد سے بھی

کوئی مسئلہ اخذ کریں تو انھی کی رائے سب سے درست ہے انہیں کا اجتہاد اصوب ہے جیسا کہ صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود المتوفی ۷۴۷ھ فرماتے ہیں

تقلید الصحابی یجب اجماعا فیما شاع فسکتوا مسلمین

ترجمہ: صحابی کی تقلید اجماعی طور پر واجب ہے اس معاملہ میں جو مشہور ہو گیا ہو اور وہ اسے تسلیم کرتے ہوئے خاموش ہو گئے ہوں

پھر اس قول کی وجہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں

فرأیهم اصوب لانهم شاهدوا موارد النصوص و لتقدمهم فی الدین و برکة صحبة النبی ﷺ و کونهم خیر القرون (توضیح والتلویح صفحہ ۴۴۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع)

ترجمہ: پس ان کی رائے صحیح ترین ہے کیونکہ انھوں نے نصوص کے وارد ہونے کے محل کو دیکھا اور ان کے اسلام میں پہل کیوجہ سے اور حضور اکرم ﷺ کی صحبت کی برکت کے سبب اور انکے بہترین زمانے والے ہونے کے سبب سے

امام فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی الحنفی المتوفی ۴۸۲ھ فرماتے ہیں

نزدیک یہ حکم وجوب کے لئے ہوتا اور داڑھی بڑھانا واجب! تو وہ اپنی داڑھیوں کو ہرگز نہ کاٹتے"۔

مذکورہ بالا عبارت میں زید صاحب نے قبضہ کی دلیل کا رد تین وجوہ سے کیا ہے جو کہ حسب ذیل ہیں

(الف) صحابہ کرام کے افعال سے کوئی وجوب ثابت نہیں ہوتا اس لیے ان کے عمل سے ایک مشت داڑھی کا وجوب ثابت نہ ہوگا

(ب) سرکار دو عالم ﷺ کے انہی افعال سے وجوب ثابت ہوتا ہے جو مجمل کتاب کا بیان ہو اور باقی میں اختلاف ہے

(ج) حضرت ابو ہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جو داڑھی بڑھانے کا حکم دیا تھا وہ حکم وجوب کے لیے ہوتا تو وہ ہرگز اپنی داڑھیوں کو نہ کاٹتے"

ان تینوں اعتراضات کا رد حسب ذیل ہے

الجواب (الف)

اہلسنت کے نزدیک صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تقلید واجب ہے کیونکہ یہ وہ مقدس اشخاص ہیں جو نبی کریم ﷺ کی صحبت سے فیضاب ہوئے انھوں نے جو کچھ سیکھا اور سمجھا ہے وہ نبی کریم ﷺ کے افعال اور اقوال و تقریری سے سیکھا اور سمجھا ہے اور اگر یہ لوگ اپنے اجتہاد سے بھی

کوئی مسئلہ اخذ کریں تو انھی کی رائے سب سے درست ہے انہیں کا اجتہاد اصوب ہے جیسا کہ صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود المتوفی ۷۴۷ھ فرماتے ہیں

تقلید الصحابی یجب اجماعا فیما شاع فسکتوا مسلمین

ترجمہ: صحابی کی تقلید اجماعی طور پر واجب ہے اس معاملہ میں جو مشہور ہو گیا ہو اور وہ اسے تسلیم کرتے ہوئے خاموش ہو گئے ہوں

پھر اس قول کی وجہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں

فرأیھم اصوب لانھم شاھدوا موارد النصوص و لتقدمھم فی الدین و برکۃ صحبۃ النبی ﷺ و کونھم خیر القرون (توضیح والتلویح صفحہ ۴۴۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع)

ترجمہ: پس ان کی رائے صحیح ترین ہے کیونکہ انھوں نے نصوص کے وارد ہونے کے محل کو دیکھا اور ان کے اسلام میں پہل کیجہ سے اور حضور اکرم ﷺ کی صحبت کی برکت کے سبب اور انکے بہترین زمانے والے ہونے کے سبب سے

امام فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی الحنفی المتوفی ۴۸۲ھ فرماتے ہیں

قال ابو سعید البردعی تقلید الصحابی واجب یترک به القیاس قال و علی هذا ادرکنا مشایخنا

(اصول بزدوی مطبوعہ میر محمد کتب خانہ صفحہ ۲۳۴)

ترجمہ: ابوسعید فرماتے ہیں صحابی کی تقلید واجب ہے اور قیاس کو اس کے مقابلہ میں چھوڑ دیا جائے گا اور فرمایا اسی پر ہم نے اپنے مشائخ کو پایا۔

البتہ بعض علماء نے اختلاف کیا اور کہا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی انہی معاملات میں تقلید کی جائے گی جو کہ غیر قیاسی ہوں جیسا کہ صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود امام کرخی کا قول نقل فرماتے ہیں

عند الکرخی یجب فیما لا یدرک بالقیاس

(توضیح وتلویح ۴۴۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع)

ترجمہ: امام کرخی کے نزدیک ایسے معاملات جو قیاس سے نہیں جانے جاتے ان میں تقلید واجب ہے۔

بہر حال اہلسنت و جماعت خصوصاً احناف کے نزدیک صحابہ کرام کی تقلید ایسے مسائل میں اجمالاً واجب ہے جنہیں قیاس کے ذریعے جانا نہ جا سکے مقدار بھی انہیں معاملات میں سے ہے جسے رائے کے ذریعے معلوم نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ علامہ عبدالعلی محمد بن نظام الدین رحمۃ اللہ

علیہ نے بیان فرمایا

فان التقدیرات مما لا یهتدی الیه الرأی

(فواتح الرحموت جلد دوم صفحہ ۱۸۷)

ترجمہ: مقداریں ان اشیاء میں سے ہے جنکی طرف رائے کو عمل دخل نہیں۔

داڑھی شریف کا کم یا زیادہ یا ایک مشت ہونے کا تعلق بھی مقدار سے ہے یہ بھی ایسا ہی معاملہ ہے جسے رائے سے معلوم نہیں کیا جا سکتا لہٰذا ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اگر داڑھی کو قبضہ کے بعد کاٹا تو یقیناً سرکار دو عالم ﷺ سے ہی سیکھا ہوگا اسی طرح وہ واقعہ بھی اسی پر دال ہے کہ جسے علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری میں بیان فرمایا اور خود زید صاحب نے بڑی داڑھی کی مقدار میں فقہائے احناف کا نظریہ بیان کرتے ہوئے علامہ عینی کے حوالہ سے لکھا ہے اور وہ روایت درج ذیل ہے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے دیکھا کہ ایک شخص نے داڑھی کو چھوڑا ہوا ہے آپ نے اس کی داڑھی کو کھینچا اور کہا میرے پاس قینچی لاؤ پھر کہا کہ اس کے ہاتھ کے پیچھے جو داڑھی ہے اسکو کاٹ دو پھر فرمایا! جاؤ اپنے بالوں کو سنوارو یا خراب کرو تم میں سے کوئی

اپنے آپ کو اسطرح چھوڑ دیتا ہے جیسے وہ درندوں میں سے ایک درندہ ہو!

اس روایت سے تو قول صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ثابت ہو گیا ہے اور وہ بھی مقدار کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم کتنا واضح ہے کہ "اس کے ہاتھ کے نیچے جو داڑھی ہو کاٹ دو" یعنی قبضہ کے بعد اور قبضہ مقدار شرعی ہے فان التقديرات مما لا يهتدى اليه الرأى

ترجمہ: مقداریں ان اشیاء میں سے ہے جن کی طرف رائے کو عمل دخل نہیں۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ قبضہ کے بعد کاٹنا نبی کریم ﷺ کا حکم ہے کیونکہ مذهب الصحابى دليل الدليل (فواتح الرحموت)

ترجمہ: صحابی کا مذہب دلیل الدلیل ہے۔

پھر مزید یہ کہ ابن عمر ابو ہریرہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہم نے یہ افعال لوگوں کے سامنے کیے مگر کسی نے انکار نہ کیا یعنی اجماع سکوتی ہوا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ دیکھنے والوں کے نزدیک (جن میں صحابہ اور تابعین کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے) یہ کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی اسکے بارے میں تو علامہ عبدالعلی نے فرمایا ہے

وذلك ان وجوب التقليد و كون مذهبه فى حكم

الرفع ؛ لانه لا بد من حجة نقلية) لان الفتوى و العمل من غير حجة شرعية حرام و الصحابة يربئون عنه بعدالتهم فالحجة عقلية او نقلية والاول منتف بالفرض فتعين الثانى فله حكم الرفع فمذهبه دليل الدليل ۔

ترجمہ: اور یہ کہ تقلید کا واجب ہونا اور اسکا مذہب ہونا مرفوع کے حکم میں ہے۔ کیونکہ اسکا (تقلید) حجۃ نقلیہ ہونا ضروری ہے کیونکہ فتویٰ دینا اور عمل کرنا بغیر دلیل شرعی کے حرام ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی عدالت کی بدولت اس سے بری ہیں پس حجت عقلی ہے یا پھر نقلیہ بالفرض پہلی کی نفی ہو تو دوسری متعین ہو گئی پس اسکے لئے مرفوع کا حکم ہے پس صحابی کا مذہب دلیل الدلیل ہے۔

پھر چند سطور کے بعد صحابہ کرام کی تقلید کے بارے میں مزید فرماتے ہیں فلا يجوز لنا ترك التقليد

ترجمہ: پس ہمارے لیئے صحابی کی تقلید کو چھوڑنا جائز نہیں (هذا كله من فواتح الرحموت جلد دوم ص ۱۸۸۔۱۸۷)

شاید زید صاحب نے وجوب تقلید الصحابہ میں غور نہیں کیا یا تجاہل عارفانہ برتا ہے ورنہ علماء کرام کی بات کا جواب یوں نہ دیتے کہ صحابی کے

فعل سے کوئی وجوب ثابت نہیں ہوسکتا حالانکہ اس بات کو تو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور علماء کرام کا یہ کہنا کہ "ان کا یہ فعل اس بات کا بیان ہے کہ داڑھی کو قبضہ تک بڑھانا واجب ہے" ہرگز بھی اس بات کا متقاضی نہیں کہ صحابی کا عمل مثبت وجوب ہے بلکہ اس سے علماء کرام کی مراد یہ ہے کہ وجوب تو مصطفی ﷺ کے حکم اعفوا اللحی یعنی داڑھیوں کو معاف (چھوڑے) رکھو سے ثابت ہے مگر یہ حکم مجمل ہے اور صحابی کا عمل اس اجمال کی تفسیر ہے اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نہ صرف فتوی بلکہ اس فتوے کو نافذ کر دینا بھی اسی اجمال کی تفسیر ہے نہ کہ مثبت وجوب جیسا کہ ہم نے فواتح الرحموت کے حوالے سے لکھا ہے کہ صحابہ کا مذہب حدیث مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ بغیر حجت شرعیہ کے فتوی دینا یا عمل کرنا حرام ہے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان اس سے بری ہیں بالفرض اگر کوئی اس تمام بحث کے باوجود بھی ہٹ دھرمی کرتا رہے تو ہم اس کی توجہ ان احادیث کی طرف دلاتے ہیں جنہیں اصولیین نے وجوب تقلید صحابہ کے باب میں بیان کیا ہے۔

صدر الشریعۃ رحمہ اللہ نے وجوب تقلید صحابہ میں انہیں دو احادیث کو پیش کیا ہے۔

عند اهل السنة و اعند ابی سعید البردعی

رحمه الله يجب لقوله عليه السلام اصحابی كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم واقتدوا بالذين من بعدی) تمام الحديث عن ابی بكر و عمر

(توضیح ص ۴۴۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع)

اسی طرح فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی رحمہ اللہ نے انہیں دو احادیث کو ذکر کر کے وجوب تقلید صحابہ پر استدلال کیا اور اسکی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا

ان العمل برأيهم لوجهين احدهما احتمال السماع و التوقيف و ذلك اصل فيهم مقدم على الرأی وقد كانوا يسكتون عن الاسناد و لاحتمال فضل اصابتهم فی الرأی فكان هذا الطريق هو النهاية فی العمل بالسنة ليكون السنة بجميع وجوهها و شبهها مقدما على القياس (اصول بزدوی ص ۲۳۶)

ترجمہ : ان کی رائے پر عمل کرنے کی دو وجہیں ہیں ان دونوں میں سے ایک سننے اور واقف ہونے کا احتمال ہے اور یہ اصل ہے ان میں اور رائے پر مقدم ہے۔ اور وہ بہت زیادہ اسناد کرنے سے خاموش رہے اور ان کی رائے کی درستی کی زیادتی کیوجہ سے۔ اور یہ طریقہ سنت پر عمل کرنے

نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ واعفوا اللحی (داڑھیاں بڑھاؤ) کا امر ملا ہوا ہے لہذا یہاں پر معاملہ ہی مختلف ہے ان شاء اللہ اس کی تفصیل اعتراض (۵) میں آئے گی۔

الجز۔ (ج)

''حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جو داڑھی بڑھانے کا حکم دیا تھا وہ حکم وجوب کے لئے نہ تھا اگر وجوب کے لیے ہوتا تو وہ ہرگز اپنی داڑھیوں کو نہ کاٹتے۔''

الجواب۔

زید صاحب نے وضاحت نہیں کی کہ عبداللہ ابن عمر اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہما کے نزدیک نبی کریم ﷺ کے اس حکم کا محل کیا تھا؟ اگر بیان کر دیتے تو وضاحت ہو جاتی بہر حال انکے اس قول سے تو صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم انکے نزدیک وجوب کے علاوہ امر کی بقیہ اقسام میں کسی ایک کے لیے ہوگا اور قرین قیاس استحباب یا ندب کے لئے ہوگا اگر ان کی یہ بات مان لی جائے تو اس حدیث کا کیا مطلب ہوگا؟ کہ جسمیں اس بات کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ عموماً اپنی داڑھی مبارک سے طول اور عرض میں کم کر دیتے تھے

میں انتہا کا درجہ رکھتا ہے تاکہ سنت اپنی وجوہ اور شبہات کی بنا پر قیاس پر مقدم ہو۔

اگر چہ کہ وجوب تقلید صحابہ کرام علیہم الرضوان پر احادیث کثیرہ دال ہیں مگر ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں حق قبول کرنیوالوں کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

الجز۔ (ب)

''سرکار دو عالم ﷺ کے انھیں افعال سے وجوب ثابت ہوتا ہے جو مجمل کتاب کا بیان اور باقی میں اختلاف ہے۔''

الجواب: زید صاحب کی یہ بات تو درست ہے کہ ہم احناف کی اکثریت کے نزدیک سرکار دو عالم ﷺ کے افعال سے وجوب ثابت نہیں ہوتا مگر زید نے اس مقام پر اس قاعدہ کو لکھ کر غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے کیونکہ یہ اس کا محل نہیں ہے اسکا محل تو وہ ہے کہ جب مطلقاً عمل کی بات ہو۔ جیسے سرکار ﷺ سے کسی موقع پر کوئی عمل ظاہر ہوا مگر صحابہ کرام کو اس کا حکم نہ فرمایا ہو تو احناف کہتے ہیں کہ اس عمل سے امت پر وہ کام واجب نہ ہوگا کیونکہ ہمارے نزدیک صرف وہ عمل موجب نہیں ہے جبکہ شوافع کا اس میں اختلاف ہے۔

اس کے برعکس داڑھی شریف کے مسئلے میں معاملہ مطلقاً فعل کا

پیروکاروں کو کسی اچھائی کی ترغیب دلا کر خود ہی اسکی مخالفت کرے چہ جائیکہ سرور کائنات ﷺ کیونکہ داڑھی بڑھانے کی مخالفت داڑھی کم کرنا ہے اور یہ بات حضور ﷺ کے شان کے لائق نہیں آپ ﷺ خود کسی اچھائی کا حکم کریں پھر خود ہی اسکی مخالفت کریں لہٰذا داڑھی کا کم کرنا بیان جواز پر محمول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ بیان جواز کے لیے ایک یا دو مرتبہ کا عمل کافی ہے۔ مگر یہاں معاملہ ایک دو مرتبہ کا نہیں بلکہ عادت کا ہے چنانچہ یہ بیان جواز کی دلیل نہیں بن سکتی۔ ہم اسے منسوخ بھی تسلیم نہیں کرتے کیونکہ اسے منسوخ مان لیا جائے تو داڑھی کا لمبا کرنا مکروہ تحریمی ہوگا جیسا کہ صاحب نھایہ نے اسکا قول کیا ہے اگر صاحب نھایہ کا قول داڑھی بڑھانے کے حکم کے منسوخ ہونے کے متعلق درست مان لیا جائے تو داڑھی کا ایک مشت سے زیادہ بڑھانا اصولی اعتبار سے درست نہ ہوگا جیسا کہ علامہ حافظ الدین نسفی فرماتے ہیں:

واذا عدمت صفة الوجوب للمامور به لاتبقى صفة الجواز عندنا (كشف الاسرار ص ۷۹)

ترجمہ :- اور اگر مامور بہ کے لیئے صفت وجوب معدوم ہو جائے تو ہمارے نزدیک صفت جواز باقی نہیں رہتی۔

فقہائے احناف بھی اسے منسوخ نہیں مانتے۔ علامہ کمال الدین

ان النبی ﷺ كان ياخذ من لحيته من عرضها و طولها یعنی نبی کریم ﷺ اپنی داڑھی مبارک میں سے طول عرض سے کم فرمادیا کرتے تھے۔ (جامع ترمذی نور محمد صفحہ ۳۹۴) اسی طرح اس حدیث کا کیا مطلب ہوگا؟ کہ جس میں نبی اکرم ﷺ نے ابو قافہ رضی اللہ عنہ کو داڑھی کم کرنے کا حکم دیا اسی طرح اس حدیث شریف کا کیا مطلب ہوگا؟ جسمیں نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو بے تحاشہ لمبے بال ہونیکی وجہ سے اسکے اس عمل کو بدصورت قرار دیا اور اپنی داڑھی اور سر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اپنی داڑھی اور سر کے بالوں کو کاٹ کر کم کرو۔ پہلی حدیث کے الفاظ اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ داڑھی مبارک کو کم کر لینا آپ ﷺ کی عادت طیبہ تھی کیونکہ اس میں صیغہ ماضی استمراری استعمال ہوا ہے جو کہ قرینہ کے اعتبار سے عادت پر دلالت کر رہا ہے۔ سرکار ﷺ کی عادت مبارکہ، حدیث ابی قافہ رضی اللہ عنہ اور بے تحاشہ بڑھے ہوئے بالوں والے شخص کی احادیث اشارہ کر رہی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے پہلے جو اعفوا اللحی داڑھی بڑھانے کا حکم دیا تھا اسے خود اپنے عمل اور قول سے منسوخ کر دیا یا پھر بیان جواز کے لیے ہے۔

مگر یہ دونوں وجہیں ہمیں تسلیم نہیں۔ دوسری وجہ تو اس لیئے تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ یہ عادت کے خلاف کہ کوئی عقل مند باعمل انسان اپنے

محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الھمام فرماتے ہیں

فاقل ما فی الباب ان لم یحمل علی النسخ کما ھو اصلنا فی عمل الراوی خلاف مرویہ فیقع بذلک الجمع بین الروایات

(فتح القدیر صفحہ ۲۷۰)

ترجمہ:-

پس اس باب میں اقل یہ ہے کہ اسے نسخ پر محمول نہیں کیا جائے گا جیسا کہ یہ ہمارا قاعدہ ہے راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنے میں پس اس سے روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

اسی قول کی مطابعت کرتے ہوئے صاحب البحر الرائق و علامہ شلبی اور حسن بن عمار اور دیگر فقہائے کرام نے نسخ کی ممانعت کی ہے مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر واعفوا للمحی کے حکم کو استحباب یا ندب پر محمول نہیں کیا جا سکتا بلکہ اسے وجوب پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ فقہائے کرام نے کیا ہے ورنہ صاحب فتح القدیر اور دیگر فقہائے کرام کا ان کی پیروی میں دونوں قسم کی احادیث میں اس انداز میں تطبیق دینا کیا معنی رکھتا ہے۔

زید صاحب کا بغیر دلیل یہ کہنا کہ عبداللہ ابن عمر اور ابوھریرہ رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ حکم وجوب کے لیے نہ تھا، درست نہیں ہے کیونکہ صحابہ

کرام علیہم الرضوان اجمعین سرکار دو عالم ﷺ کے حکم کو وجوب پر محمول فرماتے تھے جیسا کہ امام ابوبکر محمد بن سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فان الصحابة امتثلوا امر رسول الله ﷺ كما سمعوا منه صيغة الامر من غير ان اشتغلوا بطلب دليل آخر للعمل ولو لم يكن موجب هذه الصيغة معلوماً بها لاشتغلوا بطلب دليل آخر للعمل ولا يقال انما عرفوا ذلك بماشاهدوا من الاحوال لا بصيغة الامر لان من كان غائبا منهم عن مجلسه اشتغل به كما بلغه صيغة الامر حسب ما اشتغل به من كان حاضرا و مشاهدة الحال لاتوجد فی حق من كان غائبا.

(اصول سرخسی صفحہ ۱۶)

ترجمہ: بے شک صحابہ کرام جیسے ہی نبی اکرم ﷺ سے امر کا صیغہ سنتے تو دوسری کسی دلیل کی تلاش میں مشغول ہوئے بغیر ہی پیروی میں لگ جاتے۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک اگر امر کا صیغہ وجوب کے لیے نہ ہوتا تو وہ ضرور کسی دوسری دلیل کی تلاش میں لگ جاتے۔ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ صحابہ کرام تو قرائن کے مشاہدہ کی وجہ سے اس حکم کے وجوب کو سمجھتے تھے نہ کہ صیغہ امر سے کیونکہ وہ صحابہ کرام جو

نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں نہ ہوتے تھے جب انھیں بھی صیغہ امر کے ذریعے سے کوئی خبر پہنچتی تو وہ اس پر اسی طرح عمل کرنے میں مشغول ہوجاتے جس طرح سے وہ لوگ کہ جو اس مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ حالانکہ مشاھدہ حال ان لوگوں کے حق میں نہیں پایا جاتا تھا جو کہ اس مبارک مجلس میں حاضر نہ ہوتے تھے۔

زید صاحب کو یہ مغالطہ غالباً اسلئے ہوا ہے کہ راوی نے اپنی روایت کے خلاف عمل کیا ہے۔ شاید اسی لیے انھوں نے کہہ دیا کہ داڑھی کے بڑھانے کا حکم وجوب کے لیئے نہ تھا اگر وجوب کے لیئے ہوتا تو حضرت ابن عمر اور حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہما اپنی مرویات کے خلاف عمل نہ کرتے۔ زید صاحب کو چاہیئے کہ اصول فقہ کی کتابوں سے رجوع کریں البتہ ہم اپنے مدعا کے اثبات کے لیئے اپنے مؤقف پر حوالہ پیش کردیتے ہیں جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ واعفوا اللحی والی حدیث شریف مجمل ہے اور حدیث مجمل حجت نہیں بنتی جب تک کہ اس کا بیان نہ ہو جیسا کہ علامہ عبدالعلی محمد بن نظام الدین انصاری رحمہ اللہ نے لکھا

" الخبر ليس حجة فى نفسه لاجماله وانما يحتمل الحجية بالبيان والراوى قد بين فيقبل "

ترجمہ:

خبر اپنی ذات میں اپنے اجمال کی وجہ سے حجت نہیں۔ بلکہ خبر بیان کے ساتھ حجت بننے کا احتمال رکھتی ہے۔ اور تحقیق راوی نے اسے بیان کردیا پس اسے قبول کرلیا جائے گا۔

چند سطور بعد اس اصول کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں

" (والحنفية والحنابلة) يعملون (على ماحمل) ذلك الصحابى الراوى (لان ترك الظاهر بلا موجب حرام واذ هو عادل لا سيما اذا كان ممن اسلم قبل الفتح و دخل البيعة (فلا يتركه الا بدليل قطعا) و هذا الدليل اما السمع او القرينة المعاينة وكلاهما موجبان ان المعمول عليه مراد الله و رسوله فيجب اتباعه ".

ترجمہ:

حنفی اور حنبلی اسی پر محمول کرتے ہیں کہ جس پر روایت کرنے والے صحابی نے محمول کیا ہو (کیونکہ ظاہر کو بلا موجب کے ترک کرنا حرام ہے) اور صحابی تو عادل ہے۔ خاص طور پر جب وہ ان میں سے ہو جس نے فتح سے قبل اسلام قبول کیا اور بیعت میں شامل ہوئے (پس وہ صحابی اسے دلیل قطعی کے بغیر نہیں چھوڑے گا) اور یہ دلیل یا تو سمع سے ہے یا قرینہ

معاینہ سے ہے اور یہ دونوں ثابت کرنے والی دلیلیں ہیں کہ بے شک جس پر عمل کیا جارہا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی مراد ہیں پس اس کی اتباع واجب ہے۔

ہم نے اعتراض (۱) کے جز الف میں اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ ایک مشت مقدار شرعی ہے جسے رائے کے ذریعے معلوم نہیں کیا جاسکتا لہٰذا ثابت ہوا کہ ابن عمر اور حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہما کا ایک مشت کے بعد داڑھی کاٹنا یا تو سرکار دو عالم ﷺ سے سُن کر ہوگا یا پھر دیکھ کر ہوگا پس انکی اتباع کرنا واجب ہے۔

اعتراض (۲)

"بعض علماء "واعفوا اللحی" میں امر کے صیغے سے استدلال کرتے ہیں کہ امر وجوب کے لیئے ہوتا ہے لہذا داڑھی بڑھانا واجب ہے یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ امر وجوب کے لیئے اسوقت ہوتا ہے جب اسکے خلاف قرینہ صارفہ نہ ہو یہاں ایک سے زائد قرائن ہیں امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمھما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو داڑھی کاٹنے کا حکم دیا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کے طولاً عرضاً داڑھی کاٹ کر کم کرنے کو روایت کیا اور اس حدیث سے ہمارے فقہاء (مثلاً صاحب نہایہ، علامہ عینی، علامہ ابن ہمام

رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ) نے استدلال کیا ہے اور حضرت ابن عمر، حضرت ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہما اور فقہاء تابعین کے داڑھی کاٹ کر کم کرنے کے واقعات ہیں جنکو ہم نے شروع میں بحوالہ بیان کردیا ہے۔"

الجواب

مذکورہ عبارت میں زید صاحب نے نبی اکرم ﷺ کے قول و فعل (داڑھی کاٹنا اور داڑھی کاٹنے کے حکم دینے) اور ابن عمر اور ابوھریرہ رضی اللہ عنہما کے عمل کو قرینہ صارفہ قرار دیتے ہوئے استدلال کیا ہے کہ امر وجوب کے لیے نہ تھا۔ جہاں تک عبداللہ ابن عمر اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہما کے عمل کو داڑھی بڑھانے کے حکم کو وجوب سے پھیرنے کے لیئے قرینہ صارفہ بنانے کا تعلق ہے اس کا جواب تو ہم پہلے دے چکے ہیں کہ یہ حکم مجمل تھا اور انکے فعل سے اس اجمال کی تفسیر ہوئی ہے نہ کہ تنسیخ اور نبی اکرم ﷺ کے قول اور عمل کے بارے میں بھی ہمارا یہی جواب ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے قول و فعل کے ذریعے اس اجمال کی تفسیر بیان کی ہے اصول فقہ کے اعتبار سے یہ جواب بالکل درست ہے کیونکہ مجمل سے مراد وہ لفظ ہے کہ جس سے نفس معانی میں اشتباہ پیدا ہوجائے اور اسکی وضاحت کے لیئے بیان کی ضرورت پیش آئے جیسا کہ علاء الدین نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واما المجمل فما ازدحمت فيه المعاني اشتبه المراد به اشتباها لا يدرك بنفس العبارة بل بالرجوع الى الاستفسار "

(کشف الاسرار جلد ا ص ۱۵۰ مطبوعہ الصدف پبلشرز کراچی)

ترجمہ : اور مجمل وہ ہے جس میں معانی جمع ہو جائیں اور جس سے مراد ایسی مشتبہ ہو جائے کہ نفس عبارت سے اسے نہ جانا جا سکے بلکہ استفسار سے رجوع کر کے جانا جائے۔

نبی اکرم ﷺ کے فعل اور قول سے قرآن مجید کے اجمال کی تفسیر بیان کیجاتی ہے یہ ہم بھی مانتے ہیں اور زید صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں مگر زید صاحب نبی کریم ﷺ کی فعلی تفسیر کو صرف کتاب اللہ کے ساتھ خاص مانتے ہیں مگر زید صاحب کا یہ مؤقف درست نہیں ہے کیونکہ تمام فقہائے احناف کے نزدیک جس طرح نبی کریم ﷺ کے اقوال اور افعال سے قرآن کے اجمال کی تفسیر ہیں اسی طرح سنت کے اجمال کی بھی تفسیر ہیں۔

جیسا کہ امام بزدوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ثم يلحق البيان بالسنة

(اصول بزدوی ص ۲۵۹)

ترجمہ: پھر سنت کے ساتھ بیان کو ملحق کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے فرمایا "صلوا کما رأیتمونی اصلی "

ترجمہ : جس طرح تم مجھے نماز پڑھتا دیکھتے ہو اسطرح نماز پڑھو۔

اور ایسے ہی فرمایا" خذوا عنی مناسککم " ترجمہ: تم مجھ سے اپنے مناسک سیکھ لو۔

شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ ان دو احادیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں

ففی هذا تنصيص على ان فعله مبين لهم و لان البيان عبارة عن اظهار المراد فربما يكون ذلك بالفعل ابلغ منه بالقول الا ترى انه امر اصحابه بالحلق عام الحديبية فلم يفعلوا ثم رأوه حلق بنفسه حلقوا فى الحال فعرفنا ان اظهار المراد يحصل بالفعل كما يحصل بالقول (اصول سرخسی ص ۲۷ ج دوم)

ترجمہ : پس اس میں اس بات پر تنصیص ہے کہ سرکار ﷺ کا فعل بھی مبین یعنی بیان کرنے والا ہے۔ کیونکہ بیان مراد کو ظاہر کرنے سے

عبارت ہے۔ پس کبھی تو یہ فعل سے ہوتا ہے اور کبھی قول سے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ آپ ﷺ نے حدیبیہ کے سال صحابہ کو حلق کا حکم فرمایا تو انھوں نے حلق نہیں کیا پھر جب انھوں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے بنفس نفیس حلق فرمایا تو انھوں نے اسی وقت حلق کیا۔ پس ہم نے جانا کہ جس طرح قول سے مراد ظاہر ہوتی ہے اسی طرح فعل سے بھی مراد کا اظہار ہوتا ہے۔

اسی طرح امام ابن ہمام رحمہ اللہ نے امام ابو داؤد سے مروی حدیث شریف " مفتاح الصلوة الطهور و تحريمها التكبير وتحليلها التسليم " یعنی نماز کی کنجی طہارت ہے اور اسکی تحریم تکبیر ہے اور اسکی تحلیل سلام ہے کو مجمل فرمایا اور سرکار ﷺ کے فعل کو بیان قرار دیا آپ فرماتے ہیں " هل الصلوة هذه فقط او معها امور اخرى وقع البيان فى ذلك كله بفعله۔ "

(فتح القدیر ج ۱ ص ۲۳۹)

ترجمہ : کیا نماز صرف یہی ہے یا اور امور بھی اس میں شامل ہیں اس تمام کا بیان سرکار ﷺ کے فعل سے ہوا۔

(فتح القدیر ج ۱ ص ۲۳۵)

ایسے ہی داڑھی شریف کا معاملہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے

داڑھی بڑھانے کا حکم دیا مگر داڑھی کے بڑھانے میں اجمال پایا جاتا ہے آیا کہ ایک مشت بڑھائی جائے، دو مشت بڑھائی جائے یا اس سے زیادہ۔ تو سرکار دو جہاں ﷺ نے اپنے قول و فعل کے ذریعے اس کو بیان فرمادیا کہ داڑھی کا بڑھانا اس حد تک ہے کہ وہ سینے کے بالائی حصے کو بھر دے اور اسکی مقدار کا اندازہ حضرت عبداللہ ابن عمر اور ابوھریرہ رضی اللہ عنہما کے فعل اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول و عمل سے ہوتا ہے۔ ہم نے اپنے مدعا کو فقہ حنفی کی معتبر کتب سے ثابت کردیا ہے اب زید صاحب کی مرضی ہے کہ اسے نسخ پر محمول کریں یا بیان جواز پر۔ ہاں البتہ اتنا ضرور مشورہ دیں گے کہ زید صاحب کو چاہیے کہ کچھ اصول فقہ کی کتب کی طرف بھی توجہ مبذول فرمائیں۔

اعتراض (۳)

" بعض علماء نے مجھ سے کہا کہ داڑھی بڑھانے کے متعلق بکثرت احادیث ہیں اور داڑھی کاٹنے کے بارے اتنی کثیر احادیث نہیں ہیں۔ میں نے کہا کسی مطلوب کے اثبات کے لیئے حدیث کا صحیح اور قوی سند کے ساتھ مروی ہونا کافی ہوتا ہے ورنہ شافعی کہہ سکتے ہیں کہ اثباتِ رفع یدین اور اثبات فاتحہ خلف الامام کے متعلق اسی طرح کندھوں تک ہاتھ اٹھانے اور سینے پر ہاتھ باندھنے کے متعلق جتنی کثیر روایات ہیں اتنی روایات ترک رفع

یدین اور ترک فاتحہ خلف الامام کاندھوں تک ہاتھ اُٹھانے اور ناف پر ہاتھ باندھنے کے متعلق نہیں ہیں''۔

الجواب

زید صاحب نے یا تو علماء کرام کی بات کا مطلب ہی نہیں سمجھا یا پھر اصل جواب سے پہلوتہی کرتے ہوئے خود ایک سوال وارد کر دیا حالانکہ علماء کرام کی اس سے مراد یہ ہے کہ چونکہ داڑھی بڑھانے سے متعلق احادیث تغیر لفظی کے ساتھ کثرت روایات کے سبب حد تواتر کو پہنچ چکی ہیں لہذا وہ معنا حدیث متواتر ہے۔ چنانچہ بیس (۲۰) کتب مشہورہ نے کچھ تغیر لفظی کے ساتھ مختلف اسانید سے اسی حدیث کو روایت کیا ہے۔ ان کے نام درج ذیل ہیں۔

1	مسلم شریف	2	موطاء امام مالک	3	مسند امام اعظم	4	مسند امام احمد ابن حنبل
5	بخاری شریف	6	ابوداؤد شریف	7	ترمذی شریف	8	نسائی شریف

8	ابن ماجه	10	طحاوی شریف	11	ابن عدی کامل	12	طبرانی اوسط
13	بیهقی فی شعب الایمان	14	ضیاء صحیحه	15	ابو نعیم فی الحلیه	16	طبرانی اوسط
17	خطیب بغدادی	18	ابن سعد	19	الجامع الرضوی	20	جامع صغیر
21	مصنف ابن ابی شیبه	22	کنز العمال	23	مجمع الزوائد		

ان کتب کے اخراج نے اس حدیث کو متواتر معنوی بنا دیا

چنانچہ تدریب الراوی صفحہ نمبر ۳۷۳ پر ہے

''کون التواتر وجود کثیرة فی الاحادیث ان الکتب المشهورة المتداولة بایدی اهل العلم شرقا غربا اذا اجتمعت الی اخراج حدیث و تعددت طرقه فهذا تحیل

عادۃ تواطئھم علی الکذب " (تدریب الراوی صفحہ نمبر ۳۷۳)

ترجمہ : تواتر سے مراد اس کا وجود کثیر احادیث میں پایا جائے وہ اسطرح سے کہ کتب مشہورہ جو کہ اہل علم کے درمیان شرقاً وغرباً متداول ہیں اس حدیث کی تخریج پر متفق ہوں اور ان کا جھوٹ پر جمع ہونا عادۃ محال ہو۔

اور اسکے برعکس داڑھی کاٹنے کے متعلق احادیث اس درجے کو نہیں پہنچیں لہذا وہ خبر واحد ہوئیں اور ان میں تعارض پایا جائے تو حتی الامکان تطبیق دینے کی کوشش کی جائے گی ورنہ خبر واحد کو ترک کر دیا جائیگا۔ چونکہ داڑھی سے متعلق وارد شدہ خبر متواتر اور خبر واحد میں مطابقت ممکن ہے وہ یوں کہ حدیث متواتر کو مجمل اور خبر واحد کو اس کا بیان مانا جائے اس طریقے سے دونوں میں مطابقت پیدا ہو جائے گی اور تعارض دور ہو جائے گا اور داڑھی کا وجوب ثابت ہو جائے گا۔ اس کے برعکس اگر زید صاحب کے موقف کو درست تسلیم کیا جائے تو خبر واحد سے خبر متواتر کا نسخ لازم آئے گا جو اصولیین کے نزدیک جائز نہیں ہے جہاں تک ان کے التزامی جواب کا تعلق ہے تو اسکے بارے میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ زید صاحب اپنی اسی کتاب کو بھول چکے ہوں تو پھر سے مطالعہ کر لیں۔

عوام اھلسنت کو اس کے جواب سے آگاہ کرنے کے لیئے مجدد

دین وملت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ فقیہہ اعظم مولانا ابو یوسف محمد شریف محدث کوہوی رحمۃ اللہ علیہ کی " **فقہ الفقیہہ** " سے مختصراً عرض کر دیتے ہیں فقیہہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے متعلق احادیث شریف لکھ کر اس کی پوری پوری تحقیق کی اور آخر میں ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے والی حدیثوں کا جائزہ لیکر فرمایا۔

" تو ثابت ہوا کہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی کوئی بھی حدیث صحیح نہیں ہے" لہذا ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث کے کثرت طرق فائدہ نہیں دینگے۔ (فقہ الفقیہہ)

اسی طرح کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کے متعلق بحث کرنے کے بعد فرمایا

" اس سے معلوم ہوا کہ جن روایتوں میں مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانا آیا ہے وہ عذر سردی سے تھا یا یہ کہ مونڈھوں کے برابر ہاتھ ہوں اور دونوں انگوٹھے کانوں کے برابر ہوں۔ "یہاں پر مطابقت پائی گئی ہے (فقہ الفقیہہ) لہذا تعدد طرق ہمارے لیئے نقصان دہ نہیں ہے

اور قرأت خلف الامام کا جواب دیتے ہوئے قرآن مجید کی آیت طیبہ "اذا قری القران فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون " سے استدلال کرنے کے بعد فرمایا کہ معلوم ہوا کہ مقتدی

فاتحہ خلف الامام نہ پڑھے یہی صحیح ہے۔ قرأت خلف الامام کے متعلق وارد ہونے والی احادیث کو تعدد طرق کے باوجود چھوڑ دیا جائیگا۔ کیونکہ کتاب اللہ کے اطلاق کے خلاف ہے۔ (فقہ الفقیہ ص ۱۲۸، ۱۲۹)

اسی طرح رفع یدین کا تحقیقی رد کرنے بعد فرمایا کہ امام طحاوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح روایت کرتے ہیں کہ بجز تکبیر تحریمہ کے وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے اسی طرح عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

الحاصل خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم سے بھی رفع یدین بسند صحیح ثابت نہیں اگر یہ فعل سنت ہوتا تو خلفائے اربعہ کا اس پر ضرور عمل ہوتا معلوم ہوا کہ سنت نہیں یہاں پر تعدد طرق ہمارے لیئے نقصان دہ نہیں کیونکہ یہ منسوخ ہے (فقہ الفقیہ ص ۱۳۷)

الحمد للہ ہم نے زید صاحب کے التزامی سوال کا جواب مجدد دین وملت امام اہلسنت اعلیحضرت احمد رضا خان علیہ الرحمۃ الرحمان (خذل اللہ عدوہ و ھدی حاسدہ) کے مقدس خلیفہ فقیہہ اعظم مولانا ابو یوسف کوٹلوی رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کر دیا مگر ہماری طرف سے پیش کردہ دلیل کا ردان کے ذمہ قرض رہے گا۔

اعتراض نمبر (۴)

"بعض علماء نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "داڑھی بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو" اور مجوس کی مخالفت واجب ہے اسلئے داڑھی بڑھانا واجب ہوا اسکا جواب یہ ہے کہ قرائن صارفہ کو دیکھے بغیر اگر محض مخالفت کے حکم سے داڑھی بڑھانا واجب ہوسکتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ داڑھی رنگو اور یہود کی مخالفت کرو تو اس حدیث سے داڑھی کا رنگنا واجب ہوگا اور جب دیگر قرائن کی بناء پر داڑھی کا رنگنا واجب نہیں ہے تو اسی طرح متعدد قرائن کی بناء پر داڑھی کا بڑھانا بھی واجب نہیں ہے کیونکہ اگر داڑھی کا بڑھانا واجب ہوتا تو کاٹنا اولاً جائز نہ ہوتا حالانکہ ہم کاٹ کر کم کرنے کے جواز کو بالدلائل بیان کر چکے ہیں"۔

الجواب

مذکورہ بالا عبارت میں زید صاحب نے داڑھی کو کاٹ کر کم کرنے کو داڑھی کے ایک مشت وجوب کے رد کے لیے قرینہ صارفہ قرار دیا ہے ہم اسکا جواب اعتراض نمبر ا کے جزو الف اور ج (جیم) اور اسی طرح اعتراض نمبر ۲ کے جواب میں تفصیلی طور پر لکھ چکے ہیں یہاں اسکے مزید اعادہ کی ضرورت نہیں مگر ایک مسلمان کیساتھ خیر خواہی کی نیت کیساتھ پھر سے انتہائی آسان انداز میں لکھ دیتے ہیں تا کہ سمجھنے میں آسانی ہو

شاید کے تیرے دل میں اتر جائے میری بات!

ہمارے نزدیک داڑھی بڑھانے کا حکم وجوب کیلئے ہے اس میں داڑھی کی لمبائی کے متعلق اجمال پایا جاتا ہے۔ آیا کہ داڑھی کی مقدار ایک مشت ہوگی، دو مشت یا اس سے زیادہ۔ اور صحابہ کرام کا داڑھی کاٹنا اس اجمال کا بیان ہے یعنی انھوں نے اپنے قول اور فعل سے بتادیا کہ داڑھی ایک مشت واجب ہے اسکی مثال ایسے ہی ہے کہ جسطرح اللہ تبارک وتعالی نے قرآن مجید میں " وامسحوا برؤسکم " کے ذریعے سر کا مسح کرنے کا حکم دیا مگر یہ حکم اجمالی ہے اس میں اجمال پایا جاتا ہے کہ نہ جانے چوتھائی سر کے مسح کا حکم دیا ہے، نصف کا یا تہائی کا یا کہ پورے سر کا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس اجمال کو اپنے فعلی بیان کے ذریعے رفع کر کے بتادیا کہ چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے اب اگر کوئی ناسمجھ، اصول سے ناواقف شخص یہ کہے کہ قرآن مجید کا یہ حکم وجوب کے لیئے نہ تھا کیونکہ اگر وہ وجوب کے لیئے ہوتا تو نبی اکرم ﷺ اپنے چوتھائی سر کا مسح کرنے کی بجائے پورے سر مبارک کا مسح فرماتے لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآن میں مسح کرنے کا حکم وجوب کے لیئے نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا عمل قرینہ صارفہ ہے تو اس ناسمجھ کو یہی کہا جائے گا کہ قرآن پاک کے حکم میں اجمال تھا تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے عمل سے اس کا بیان فرمادیا۔ جبکہ داڑھی کے رکھنے کا معاملہ

اس مختلف ہے۔ کیونکہ داڑھی رکھنے کے سلسلے میں تعارض پایا جاتا ہے۔ بعض آثار سے ثابت ہوتا کہ صحابہ کرام نے داڑھیاں نہیں رکھیں اور بعض میں داڑھی رکھنے کا بیان ہے لہٰذا داڑھی رکھنے کے معاملہ میں قرینہ صارفہ پایا جاتا ہے داڑھی رکھنے کا حکم وجوب کے لئے نہ تھا جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

" خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بعض اوقات اپنے سفید بالوں پر خضاب لگایا اور اکثر اوقات خضاب نہیں لگایا لہٰذا دو شخصوں نے اپنے مشاہدہ کے مطابق روایت کی اور ہر ایک اپنے قول میں صادق ہے

(مرقات ج ۸ ص ۳۰۵)

الحمدللہ ایک مشت داڑھی رکھنے کا وجوب روز روشن کیطرح ظاہر ہوگیا ہے اب خرد وعقل سے عاری شخص ہی اسکو داڑھی رکھنے کے معاملہ پر قیاس کر کے اسکے وجوب کا انکار کرے گا۔

اعتراض (۵)

بعض علماء کہتے ہیں کہ ایک قبضہ داڑھی رکھنا اسلئے واجب ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس پر مداومت کی ہے اور نبی کریم ﷺ جس کام کو دائمی کریں وہ واجب ہوتا ہے یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے افعال سے وجوب ثابت نہیں ہوتا بلکہ داڑھیں

اس میں بحث ہے کہ داڑھی رکھنا سنن زوائد میں سے ہے یا سنن ھدی میں سے ہے۔ (الفتاوی الاسلامیہ من دارالافتاء المصریہ ج۹ص۳۰۸۲)

نبی کریم ﷺ نے اعضاء وضو میں ہمیشہ دائیں عضو کو دھونے سے ابتداء کی اس کا خلاف کہیں ثابت نہیں اس کے باوجود دائیں عضو کو پہلے دھونا مستحب ہے واجب نہیں حالانکہ بالاتفاق سنن ھدی سے ہے اسطرح مسجد میں پیر رکھنے، جوتی پہننے اور کنگھی کرنے میں آپ نے ہمیشہ دائیں جانب سے ابتداء کی ہمیشہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھایا اور انکا خلاف کہیں ثابت نہیں اسکے باوجود یہ امور مستحب ہیں واجب نہیں حالانکہ یہ امور بھی سنن ھدی میں سے ہیں۔

الجواب

زید صاحب نے مذکورہ عبارت میں داڑھی کے وجوب کے رد میں دو دلیلیں پیش کی ہیں

(الف) نبی کریم ﷺ کے افعال سے وجوب ثابت نہیں ہوتا خواہ وہ دائمی ہو یا غیر دائمی پھر اس پر دلیل پیش کرتے ہوئے لکھا کہ نبی کریم ﷺ نے اعضاء وضو کو دھونے میں ہمیشہ دائیں ہاتھ سے ابتداء کی اسطرح مسجد میں پیر رکھنے، جوتی پہننے اور کنگھی کرنے میں بھی۔ اور آپ ﷺ نے ہمیشہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھایا اور انکا خلاف کہیں ثابت نہیں اسکے باوجود یہ

امور مستحب ہیں واجب نہیں۔

(ب) زید نے داڑھی کے معاملے میں تشکیک پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ داڑھی سنن زوائد میں سے ہے یا سنن ھدیٰ میں سے تاکہ اسکی اہمیت کم ہو جائے اور وجوب ثابت نہ کیا جا سکے۔

الجواب (الف):

نبی اکرم ﷺ کے عمل سے وجوب ثابت ہوتا ہے یا نہیں اسکا جواب ہم اعتراض نمبر ا کے جزو "ب" میں دے چکے ہیں اختصار کیساتھ یاددہانی کیلئے اعادہ کر دیتے ہیں۔ یہ ہمیں تسلیم ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کے مطلق افعال سے وجوب ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ ملا جیون رحمہ اللہ نے فرمایا

ولا یثبت الوجوب الامن الامر دون الفعل

(نورالانوار ص۲۹ مکتبہ امدادیہ)

ترجمہ: "وجوب ثابت نہیں ہوتا مگر امر سے بجائے فعل کے۔"

لیکن داڑھی بڑھانے کا معاملہ صرف نبی اکرم ﷺ کے فعل تک محدود نہیں بلکہ اسکے ساتھ "واعفوا اللحی" (یعنی داڑھی کو معاف رکھو) کا امر بھی مقترن ہے اور اسے تو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں

کہ امر وجوب کے لیئے ہوتا ہے۔ لہٰذا لمبی داڑھی رکھنا واجب ہے اور اس داڑھی کی لمبائی کی مقدار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول و فعل سے ایک مشت ثابت ہے اس لیئے ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے کیونکہ اصولیین متفقہ طور پر اس بات کی صراحت کر چکے ہیں کہ ایسے معاملات جنہیں عقل کے ذریعے جانا نہ جا سکے ان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید واجب ہے۔

علماء کرام کا فرمانا کہ نبی کریم ﷺ کے دائمی فعل سے بھی وجوب ثابت ہوتا ہے اصولی اعتبار سے بالکل درست ہے۔ فقہ اور اصول فقہ کی کتابیں بھی اس بات کی تائید کرتی ہیں اگر زید صاحب کے نزدیک ملا جیون رحمہ اللہ کی اصول فقہ میں کوئی علمی حیثیت ہے تو ہم انہی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کسی فعل پر بغیر ترک کے مداومت فرمائیں تو اس سے وجوب ثابت ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ملا جیون رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

" لا یکون فعل النبی ﷺ موجبا علی الامة من غیر مواظبته ﷺ"

ترجمہ : نبی کریم ﷺ کا وہ فعل کہ جس میں آپ ﷺ نے مواظبت کا اختیار فرمائی ہو امت پر وجوب کو ثابت نہیں کرتا۔" (نور الانوار

ص ۳۰ مکتبہ امدادیہ)

ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ کسی فعل پر مواظبت فرمائیں تو وجوب کو ثابت کرتا ہے۔ اسی لیے مولانا علامہ عبد الحلیم نے نور الانوار کے حاشیہ قمر الاقمار میں ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر رد کرتے ہوئے لکھا۔

" ان الفعل مع مواظبته لیس بموجب ایضا "

ترجمہ : بے شک فعل آپ ﷺ کی مواظبت کے باوجود بھی واجب کرنے والا نہیں۔

اور اعتکاف کی سنت مؤکدہ سے استدلال کرتے ہوئے لکھا کہ نبی کریم ﷺ نے اس پر ہمیشہ مواظبت فرمائی لیکن وہ پھر بھی واجب نہیں ہے ملا جیون رحمہ اللہ کی طرف سے یہ فقیر جواب دیتا ہے۔ اگر چہ نبی کریم ﷺ نے اعتکاف پر مواظبت فرمائی مگر اس کا ترک بھی حدیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں

" عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت کان رسول اللّٰه ﷺ یعتکف فی کل رمضان فاذا صلی الغداة جاء مکانه الذی اعتکف فیه قال فاستاذنته عائشة ان تعتکف فاذن لها فضربت فیه قبة فسمعت بها حفصة فضربت

قبة و سمعت زينب بها فضربت قبة اخرى فلما انصرف رسول الله ﷺ من الغداة ابصر اربع قباب فقال ماهذا ؟ فاخبر خبرهن فقال ما حملهن على هذا البر انتزعوها فلا اراها فنزعت فلم يعتكف فى رمضان حتى اعتكف فى آخر العشر من شوال (صحیح البخاری ص ۲۷۳، ۲۷۴ قدیمی کتب خانہ)

ترجمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں سرکار دوعالم ﷺ ہر رمضان میں اعتکاف فرماتے جب (چاشت) کی نماز ادا فرمالیتے تو جس مکان میں اعتکاف فرمایا تھا اس کو چھوڑ دیتے۔ فرمایا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رحمت دوعالم ﷺ سے اجازت اعتکاف چاہی تو آپ ﷺ نے انھیں اجازت مرحمت فرمادی پس آپ رضی اللہ عنہا نے مسجد میں ایک خیمہ نصب کیا جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں سنا تو آپ رضی اللہ عنہا نے بھی ایک خیمہ نصب کردیا جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں سنا تو ایک دوسرا خیمہ آپ رضی اللہ عنہا نے بھی نصب کردیا جب نبی کریم ﷺ چاشت ادا فرما کر لوٹے تو چار قبے دیکھے تو فرمایا یہ کیا؟ پس آپ ﷺ کو امہات المومنین کے متعلق خبر دی گئی تو آپ

ﷺ نے فرمایا اس نیکی پر انھیں کس چیز نے ابھارا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا انہیں (خیموں کو) ہٹادو میں انہیں نہ دیکھوں پس انہیں ہٹادیا گیا تو آپ ﷺ نے رمضان میں اعتکاف نہ فرمایا یہاں تک کے شوال کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا۔ (صحیح البخاری ص ۲۷۳، ۲۷۴ قدیمی کتب خانہ)

مذکورہ حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نبی کریم ﷺ نے اعتکاف کرنا ترک بھی فرمایا اگر یہ واجب ہوتا تو آپ ﷺ اسے ہرگز ترک نہ فرماتے۔

امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ قول نقل فرمایا کہ سرکار دو عالم ﷺ کی کسی فعل پر مواظبت عدم ترک کے ساتھ وجوب کی دلیل ہے۔

" المواظبة من غير ترك مرة دليل الوجوب "

(فتح القدیر الجلد الاول ص ۲۳۹ مکتبہ رشیدیہ)

ترجمہ: مواظبت بغیر ترک کے دلیل وجوب ہے۔

اسی طرح مولانا جلال الدین خوارزمی رحمہ اللہ نے سورۃ فاتحہ کے وجوب پر نبی کریم ﷺ کی مواظبت مع عدم ترک کو دلیل بنایا اور فرمایا

انما جعلنا الفاتحة واجبة لمواظبة النبي ﷺ

من غیر ترک (کفایہ علی الھدایہ مع فتح القدیر ج ا ص ۱۹ مکتبہ رشیدیہ)

ترجمہ: ہم نے فاتحہ کو نبی کریم ﷺ کی مواظبت مع عدم ترک کی وجہ سے واجب کیا۔

اسی طرح امام اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سورۃ فاتحہ کے وجوب پر نبی کریم ﷺ کی مداومت مع عدم ترک کو دلیل بنایا اور آپ نے فرمایا

"بان النبی ﷺ واظب علی الفاتحة فی الصلوة من غیر ترک." (العنایہ علی الھدایہ مع فتح القدیر ج ا ص ۱۹ مکتبہ رشیدیہ)

ترجمہ: بے شک نبی کریم ﷺ نے نماز میں فاتحہ پر مواظبت فرمائی بغیر ترک کے۔

اور علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو برقرار رکھا اور فرمایا

" اقول هذا جواب ثان "

(الھامشیہ علی العنایہ مع فتح القدیر ج ا ص ۱۹ مکتبہ رشیدیہ)

ترجمہ: میں کہتا ہوں یہ دوسرا جواب ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ نے "البحر الرائق" میں لفظ"

سلام" کے وجوب پر سرکار ﷺ کے مداومت فعل کو دلیل بنایا ہے

(لفظ السلام) للمواظبة علیه

(البحر الرائق جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۳۰۱)

ترجمہ: لفظ سلام مواظبت کی وجہ سے واجب ہے۔

اسی طرح علامہ حسن بن عمار شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرض کی پہلی دو رکعتوں میں تعین قراءت کو سورۃ فاتحہ کا سورۃ پر مقدم کرنے کو اور جلسہ اخیرہ میں تشہد پڑھنے کو اور لفظ سلام کو سرکار ﷺ کی مداومت کیوجہ سے واجب قرار دیا ہے۔

علامہ حسن بن عمار شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

یجب (تعین القراة) الواجبة (فی الاولین) من الفرض لمواظبة النبی ﷺ علی القرائة فیهما

(مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی ص ۲۰۱)

ترجمہ: فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قراءۃ کا واجب ہونا نبی کریم ﷺ کی ان دو رکعتوں میں قراءۃ پر مواظبت کی وجہ سے ہے۔

آپ مزید فرماتے ہیں

یجب (تقدیم الفاتحة علی) قرأة (السورة) للمواظبة

(مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحاوی ص ۲۰۱)

ترجمہ: اور سورہ فاتحہ کی تقدیم سورت کی قراءت پر مواظبت کی وجہ سے واجب ہے۔

اور فرماتے ہیں یجب (قرائتہ) ای التشہد (فی الجلوس الاخیر) ایضاً للمواظبۃ (ص ۲۰۳)

ترجمہ: اور مداومت کی وجہ سے جلسہ اخیرہ میں تشہد پڑھنا واجب ہے۔ آپ فرماتے ہیں یجب لفظ السلام مرتین فی الیمنی والیسری للمواظبۃ (نور محمد اصح المطابع مراقی ص ۲۰۳)

ترجمہ: دائیں اور بائیں جانب لفظ سلام کہنا سرکار علیہ السلام کی مواظبت کی وجہ سے واجب ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ قعدہ اولیٰ کے وجوب پر سرکار دو عالم ﷺ کی مواظبت کو دلیل بناتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لان النبی ﷺ واظب علیہ فی جمیع العمر وذ ایدل علی الوجوب (البحر الرائق ص ۳۰۰ ج ۱ مکتبہ رشیدیہ)

ترجمہ: کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس پر اپنی تمام عمر مداومت فرمائی تو یہ وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

علامہ شلبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی قرأت جہری اور سری کے وجوب پر سرکار دو عالم ﷺ کی مواظبت کو ہی دلیل بنایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

(الجهر والاسراء الی اخره) لمواظبة النبی ﷺ علیها

(حاشیۃ الشلبی علی حاشیہ تبیین الحقائق ج ۱ ص ۱۰۶ مکتبہ حکانیہ)

ترجمہ: (جہری اور سری قراءت کرنا الخ) اس پر مواظبت کی وجہ سے واجب ہے۔

اسی طرح علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ فاتحہ کی کسی بھی آیت چھوٹ جانے پر سجدہ سہو کے وجوب کیلئے سرکار دو عالم ﷺ کی مداومت کو دلیل قرار دیا ہے آپ فرماتے ہیں۔

(یسجد بترک اية منها و هو اولی) لعلة للمواظبة المفید للوجوب (رد المحتار علی در المختار ج ۲ ص ۱۶۹ مکتبہ امدادیہ)

ترجمہ: اور سورہ فاتحہ کی ایک آیت کے چھوٹنے پر بھی سجدہ کرے گا اور یہی اولی ہے ایسی مداومت کی وجہ سے جو وجوب کے لئے مفید ہے۔

یہاں پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ صاحب بحر اور انکی متابعت میں علامہ شامی وغیرہ نے واجب کی تعریف میں مداومت کے ساتھ ساتھ نہ کرنے والے پر انکار کی قید بھی لگائی ہے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں۔

بان اقترنت بالانکار علی من لم یفعله وهی

دلیل الوجوب

ترجمہ: اور اگر وہ نہ کرنے والے پر مقترن بالانکار تو یہ دلیل وجوب ہے۔

یہ فقیر جواب دیگا کہ الانکار علی من لم یفعلہ کی قید لگانا درست نہیں ہے کیونکہ اس سے واجب کی تعریف میں جامعیت ختم ہو جائیگی اور وہ اپنے جمیع افراد پر صادق نہ آئے گی۔ جیسے سورۃ فاتحہ کا مقدم کرنا فرض کی ابتدائی دو رکعتوں میں قراءۃ کا تعین کرنا، قعدہ اولی اور قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنا اور خروج بصنعہ کا لفظ سلام سے مکمل ہونا وغیرہ واجبات۔ حالانکہ خود علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام امور کے وجوب کے لیئے سرکار دوعالم ﷺ کی مواظبت مع عدم ترک مرۃ ہی کو دلیل بنایا ہے لہذا ان ہی کی تعریف کے مطابق وجوب کو ثابت کیا جائے تو یہ تمام چیزیں وجوب سے تنزلی کر کے سنت کے درجے میں آجائیں گی اور یہ بات نہ علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ نہ ہی علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نہ ہی ہم اور نہ ہی زید صاحب تسلیم کرینگے۔

مذکورہ فقہائے کرام کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ نبی کریم ﷺ کے کسی فعل پر مواظبت مع عدم ترک فرمانا وجوب کی دلیل

ہے حق قبول کرنے والے دل کے لیئے اتنا ہی کافی ہے اور اگر زید صاحب ان کے بارے میں بھی وہی کہہ کر رد کر دیں جو کہ انھوں نے شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہا تو ان کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ وہ اپنے لیئے ایک جدید فقہ اور اصول فقہ تیار کر لیں۔

جہاں تک زید صاحب کا یہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ نے اعضائے وضو میں ہمیشہ دائیں عضو کو دھونے سے ابتداء کی اسکا خلاف کہیں ثابت نہیں اسکے باوجود دائیں عضو کو پہلے دھونا مستحب ہے واجب نہیں حالانکہ بالاتفاق سنن ھدی سے ہے اس طرح مسجد میں پیر رکھنے، جوتی پہننے اور کنگھی کرنے میں آپ نے ہمیشہ دائیں جانب سے ابتدا کی ہمیشہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھایا اور ان کے خلاف کہیں ثابت نہیں اسکے باجود یہ امور مستحب ہیں حالانکہ یہ امور بھی سنن ھدی میں سے ہیں زید نے ان اعضاء وضو میں ہمیشہ دائیں عضو کو دھونے سے ابتداء کرنے کو، مسجد میں پیر رکھنے، جوتی پہننے کنگھی کرنے ہمیشہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھانے کو سنن ھدی قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ وہ امور جنکا تعلق طبعیت، نوم، اکل وشرب، قیام وقعود سے ہو انھیں بالاتفاق سنن زوائد میں شمار کیا گیا ہے جیسا کہ مولنا محمد عبد الحلیم صاحب نے قمر الاقمار شرح نور الانوار میں فرمایا ہے

قولہ لم تکن لہ تبعا کالافعال الطبیعۃ التی

لا یخلو ذو نفس عنها کالنوم والیقظة والاکل والشرب و غیرها فلا یجب علینا اقتدائه فی هذه الافعال الطبعیة بل هذه الافعال مباحة لامته بلا خلاف (تمرالاقمار علی نورالانوار ص ۲۱۷ مکتبہ امدادیہ)

ترجمہ : ان کا قول کہ انکی پیروی واجب نہیں ہوگی جسطرح طبعی افعال میں جن سے ذی روح خالی نہیں ہوتا جیسے سونا اور جاگنا اور کھانا اور پینا وغیرہ۔ ہم پر ان افعال میں آپ ﷺ کی اقتداء واجب نہیں اور یہ افعال آپ ﷺ کی امت کے لئے بغیر اختلاف مباح ہیں۔ (تمرالاقمار علی نورالانوار ص ۲۱۷ مکتبہ امدادیہ)

زید صاحب کا ان افعال کو سنن ھدی کہنے کی وجہ یا تو کم علمی ہے یا لوگوں کو دھوکہ دینے کیلئے جھوٹ لکھ دیا۔ بہر حال سنی ہونے کے ناطے ہم انکی طرف جھوٹ کو منسوب کرنا مناسب نہیں سمجھتے لیکن دوسری وجہ ضرور متحقق ہو جائیگی اگر وہ فقہ کی درسی کتابیں توجہ سے پڑھ لیتے تو سنن ھدی اور سنن زوائد کا فرق خوب سمجھ لیتے۔

شرح وقایہ میں صدر الشریعۃ رحمہ اللہ نے زید صاحب کا اعتراض بھی نقل فرمایا اور اسکا جواب بھی دیا ہے اور اسکے ساتھ ساتھ سنن ھدی اور سنن زوائد کا فرق بھی بیان فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

(مستحبه التیامن) ای الابتداء بالیمین فی غسل الاعضاء فان قلت لا شك ان النبی ﷺ واظب علی التیامن فی غسل الاعضاء ولم یروا احد انه بدأ بالشمال فینبغی ان یکون سنة اقول السنة ما واظب علیه النبی ﷺ مع الترك احیانا فان کانت المواظبة المذکورة علی سبیل العبادة فسنن الهدی وان کانت علی سبیل العادة فسنن الزوائد کلبس الثیاب و کالأکل بالیمنی وتقدم الرجل الیمنی فی الدخول و نحو ذلك و کلامنا فی الاول و مواظبة النبی ﷺ علی التیامن کانت من قبیل الثانی و یفهم هذا من تعلیل صاحب الهدایة بقوله ﷺ ان الله یحب التیامن فی کل شئ حتی التنعل والترجل

(شرح وقایہ علی حاشیہ کشف الاسرار ج ۱ ادارۃ القران)

ترجمہ : (اور اسکا مستحب سیدھی جانب ہے) یعنی اعضاء کے دھونے میں سیدھی جانب سے ابتداء کرنا مستحب ہے اور اگر تو کہے کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے سیدھی جانب سے اعضاء دھونے پر مداومت

فرمائی اور کسی نے بائیں جانب سے ابتداء کرتے ہوئے نہ دیکھا۔ پس چاہیے کہ سنت ہو۔ میں کہتا ہوں کہ سنت وہ ہے جس پر آپ ﷺ نے مداومت فرمائی ہو اور کبھی ترک بھی فرمایا ہو۔ اور اگر مداومت مذکورہ عبادت کی جہت سے ہو تو سنن ھدی ہے۔ اور اگر بر سبیل عادت ہو تو سنن زوائد ہے جسطرح لباس پہننا اور جسطرح سیدھے ہاتھ سے کھانا اور سیدھا پاؤں کا مقدم کرنا دخول میں اور اسی کی مثل اور ہمارا کلام اول میں ہے۔ اور سرکار دوعالم ﷺ کا سیدھی جانب پر مداومت فرمانا دوسرے قبیل سے ہے اور اسے صاحب ھدایہ کی تعلیل سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رحمت دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ عزوجل ہر چیز میں تیامن (سیدھی جانب) کو پسند فرماتا ہے حتی کہ جوتیاں پہننے میں اور پیدل چلنے میں بھی۔

(شرح وقایہ علی حاشیہ کشف الاسرار ج ۱ ص ۹۔ ادارۃ القران)

اب شاید زید صاحب کی پریشانی دور ہوگئی ہوگی کہ یہ تمام کام مواظبت کے باوجود مستحب کیوں ہیں؟ لیکن انکار کرنے والا دل حق مشکل ہی سے قبول کرتا ہے اتمام حجت کے لیئے فتح القدیر کی عبارت نقل کیے دیتے ہیں تا کہ مخالف کے لیئے کوئی عذر باقی نہ رہے۔

(قوله البداة بالميامن فضيلة) اى مستحب ثم استدل عليه بقوله عليه السلام ان الله يحب التيامن في

كل شئ و هو معنى ما روى الستة عن عائشة رضى الله عنها كان النبى ﷺ يحب التيامن فى كل شئ حتى فى طهوره و تنعله وترجله و شانه كله و هو بناء على عدم استلزام المحبوبية المواظبة لان جميع المستحبات محبوبة له ﷺ و معلوم ان لم يواظب على كلها والا لم تكن مستحبة بل مسنونة (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۱ مکتبہ رشیدیہ)

ترجمہ: (ان کا قول سیدھی جانب سے ابتداء کرنے میں فضیلت ہے) یعنی مستحب ہے اور پھر اس پر سرکار ﷺ کے اس فرمان مبارک سے استدلال فرمایا کہ بے شک اللہ عزوجل ہر چیز میں تیامن (سیدھی جانب) کو پسند فرماتا ہے۔ اور یہ وہ معنی جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحاح ستہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر چیز میں تیامن (سیدھی جانب) کو پسند فرماتے تھے یہاں تک کہ طہارت میں، نعلین پہننے میں اور پیدل چلنے میں اور اپنے تمام کاموں میں۔ اور اس کی بنیاد ایسی محبوبیت پر ہے جو کہ مواظبت کو لازم نہیں کرتی کیونکہ آپ ﷺ کو تمام مستحبات محبوب ہیں اور یہ معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے تمام مستحبات پر مواظبت نہیں فرمائی وگرنہ مستحب نہیں بلکہ سنت ہوتے۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۱ مکتبہ رشیدیہ)

زید نے داڑھی کے معاملے میں تشکیک پیدا کرنیکی کوشش کی ہے کہ سنن زوائد میں سے ہے یا سنن ھدی میں سے تا کہ اس کی اہمیت کم ہوجائے اور وجوب ثابت نہ کیا جاسکے۔

الجواب: داڑھی سنن ھدی میں سے ہے یا سنن زوائد میں سے زید صاحب کی اس پریشانی کو دور کرنے کے لیئے ہم علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ کی عبارت لکھ دیتے ہیں۔ان شاءاللہ زید صاحب کی پریشانی مع توھمات کے دور ہوجائیگی علامہ شامی فرماتے ہیں۔

والسنة نوعان سنة الهدى و تركها يوجب اساءة و كراهية كالجماعة والاذان والاقامة و نحوها و سنة الزوائد و تركها لا يوجب ذلك كسير النبى ﷺ فى لباسه وقيامه وقعوده.

ترجمہ: سنت دو اقسام ہیں سنت ھدی جس کا ترک اساءت اور کراھیت کو واجب کرتا ہے جیسا کہ جماعت، اذان، اور اقامت اور اس کی مثل دوسری چیزیں۔اور سنن زوائد کہ جس کا ترک ان چیزوں کو واجب نہیں کرتا جیسے کہ لباس اور قیام وقعود وغیرہ میں آپ ﷺ کی عادت مبارکہ۔'' چند سطور کے بعد مزید فرماتے ہیں۔

واقول قد مثلوا لسنة الزوائد ايضا بتطويله عليه الصلوة والسلام القراءة والركوع والسجود ولا شك فى كون ذلك عبادة و حينئذ فمعنى كون سنة الزوائد عادة ان النبى ﷺ واظب عليها حتى صارت عادة له ولم يتركها الا احيانا لان السنة هى الطريقة المسلوكة فى الدين فهى فى نفسها عبادة وسميت عادة ولما لم تكن من مكملات الدين وشعائره سميت سنة الزوائد بخلاف سنة الهدى وهى سنن المؤكدة القريبة من الواجب التى يضلل تاركها لان تركها استخفاف بالدين بخلاف النفل.

ترجمہ :اور تحقیق علماء نے سنت زوائد کی مثالیں قراءت، رکوع اور سجود کی طوالت کے ساتھ دیں ہیں اور ان کے عبادت ہونے میں کوئی شک نہیں۔ پس اس وقت سنت زوائد کا معنی ایسی عادت ہوگا کہ سرکار ﷺ نے جس پر مواظبت فرمائی اور یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کی عادت ہوگئی اور آپ نے اسے سوائے بعض اوقات کے ترک نہ فرمایا کیونکہ سنت دین میں وہ جاری طریقہ ہے جو بذات خود عبادت ہے اور اس کو عادت کہنے کی وجہ کو ہم ذکر کر چکے اور چونکہ یہ دین کی تکمیل اور اس کے

شعار سے نہیں اسی لئے اسے سنت زوائد کہا گیا بخلاف سنت ھدی کے اور یہ سنن موکدہ اور اس واجب کے قریب ہوتی ہے کہ جس کا ترک کرنے والا گمراہ ہوتا ہے کیونکہ اس کو ترک کرنا دین کو ہلکا جاننا ہے بخلاف نفل کے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت فرمادی کہ اگر سرکار ﷺ کی عادت کا تعلق شعائر یا مکملات دین سے ہوگا تو وہ سنن زوائد میں سے نہ ہوگی بلکہ وہ سنن ھدی میں شمار کی جائیگی اور شعائر سے مراد علامت ہے کہ جس سے کسی کی پہچان ہو جیسا کہ سعدی ابو حبیب صاحب لکھتے ہیں۔

شعائر الاسلام ای معالمه الظاهرة و متعبداته

یعنی اسلام کی ظاہری علامات اور اسکی عبادتیں۔

(القاموس الفقھی صفحہ ۱۹۷ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

الحمدللہ لمبی داڑھی بلکہ ایک قبضہ ساری دنیا میں مسلمانوں کا شعار ہے لہذا علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ کی تصریح کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ داڑھی سنن ھدی میں سے ہے نہ کہ سنن زوائد میں سے۔

بہر حال داڑھی سنن زوائد میں سے ہو یا سنن ھدی میں سے ہمارے لیئے قطعی مسئلہ ہیں کیونکہ شعار اسلام میں سے ہے جیسا کہ زید

صاحب نے خود اسی کتاب میں اسکا اعتراف کیا۔

زید صاحب لکھتے ہیں "اور یہ لمبی داڑھی رکھنا اسلام میں مسلمانوں کا شعار ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے

" یا ایها الذین امنوا لا تحلوا شعائر الله "

ترجمہ : " اے ایمان والو! نہ حلال کر لینا تم اللہ عزوجل کے نشانات کو"۔

زید صاحب کی عجیب منطق ہے کہ لمبی داڑھی کو شعائر اسلام بھی کہتے ہیں اور پھر اسے چھونا کرنے کو حلال بھی قرار دیتے ہیں حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنوں کو اس قسم کی حرکت سے سختی سے باز رہنے کا حکم فرمایا۔

الحمدللہ علماء اہلسنت اور عوام اہلسنت ہی حقیقی مومن ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس حکم کو نہ صرف مانتے ہیں بلکہ اس پر عمل بھی کرتے ہیں اس لیے ایک مشت سے داڑھی کم کرنے کو مکروہ تحریمی کہتے ہیں کیونکہ یہ شعائر اللہ میں سے ہے جیسا کہ امام سرخسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

"حکم السنة هو الاتباع فقط فيه والدليل ان رسول الله ﷺ جمع فيما سلك من طريق الدين فولا

و فعلا و كذلك الصحابة و هذا الاتباع ثابت بمطلق السنة خال عن صفة الفرضية والوجوب الا ان يكون من اعلام الدين فان ذلك منزلة الواجب فى حكم العمل"

ترجمہ : سنت کا حکم اسکی پیروی کرنا ہے اور تحقیق یہ بات دلیل سے ثابت ہو چکی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قولی یا فعلی جو بھی طریقہ اختیار فرمایا اس میں انکی پیروی کی جائے گی ایسے ہی آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی پیروی کیجائے گی اور یہ پیروی کرنا ان امور میں ہے جو مطلق سنت سے ثابت ہوں اور صفت فرضیت اور وجوب سے خالی ہوں وگرنہ اگر وہ دین کے شعائر میں سے ہوں تو بے شک وہ عمل کے لحاظ سے واجب کے درجے میں ہیں"۔

اور ایسے ہی صاحب کفایہ نے مکحول علیہ الرحمۃ کا قول نقل فرمایا کہ

السنة سنتان سنة احدها هدى و تركها ضلالة و سنة اخذها حسن وتركها لاباس به فالاول نحو صلوة العيد والاذان والاقامة والصلوة بالجماعة لهذا لو تركها قوم استوجب اللوم والعتاب ولو تركها اهل بلدة واصروا ذلك قوتلوا عليها لياتوا بها والثاني نحو

ما نقل من طريقة رسول الله ﷺ فى قيامه و قعوده و لباسه وركوبه (اصول سرخسی ۱ ص ۱۱۴)

ترجمہ : سنت دو قسموں پر ہیں ایک وہ سنت جس پر عمل کرنا ھدایت اور ترک کرنا گمراہی ہے اور ایک سنت وہ ہے جس پر عمل کرنا مستحسن اور چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں۔ پس پہلی قسم کی مثال نماز عید اور اذان اور اقامت اور نماز باجماعت ہے۔ لہٰذا اگر اسے کوئی قوم چھوڑ دے تو ملامت و عتاب لازم آئے گا اور اگر اسے شہر والے چھوڑ دیں تو اور اس پر مصر ہوں تو ان سے قتال کیا جائے گا تا کہ اس پر عمل کریں اور دوسری قسم اسکی مثال جو سرکار ﷺ کے طریقہ سے آپ ﷺ کے اٹھنے اور بیٹھنے اور لباس و سواری سے متعلق نقل کی گئی ہے۔

اسی طرح صاحب کفایہ نے بھی جلد اول ص ۲۱۰ پر کچھ تغیر لفظی کے ساتھ اس قول کو نقل فرمایا ہے ممکن ہے کہ زید صاحب داڑھی کو سنن زوائد میں سے قرار دے کر اپنا دفاع کرنے کی کوشش کریں مگر ایسا کرنا انھیں کچھ فائدہ نہ دے گا کیونکہ وہ خود اسے شعائر اسلام تسلیم کر چکے ہیں۔

اور علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"ان السنة المؤكدة والواجبة سواء خصوصا ما كان من شعائر الاسلام" (البحر الرائق ص ۴۷۴ مکتبہ رشیدیہ)

الجلد الاول)

ترجمہ: بے شک سنت مؤکدہ اور واجب برابر ہیں خاص کر جب کہ وہ شعائر اسلام سے ہو۔

امام فخر الدین زیلعی فرماتے ہیں

" اذا کان السنة من شعائر الدین یقاتل علیها "

(زیلعی۔ تبیین الحقائق ج ا ص ۹۰)

ترجمہ: اگر سنت شعائر دین سے ہو تو اس پر قتال کیا جائے گا۔

فقہاء کرام کی ان تصریحات کے بعد یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ شعائر اسلام واجب کے درجہ میں ہیں اور انکو ترک کرنے والا گنہگار اور مستحق لوم وعتاب ہے اور اس کا حلال جاننے والا دین کا مزاق اڑانے والا ہے اب اس کے باوجود بھی اگر کوئی ھٹ دھرمی کرے اور بغیر تاویل یہی کہتا رہے کہ ایک مشت سے داڑھی کا کم کرنا کوئی گناہ نہیں ہے تو ایسا شخص استخفاف بالدین اور شعائر اللہ کا مزاق اڑانے والا ہے اور اس کا دل تقوی سے خالی ہے جیسے کہ اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے۔ " ومن یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب"

ترجمہ: اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔

اعتراض (۶)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ داڑھی میں قبضے کی مقدار کو فقہاء نے واجب کہا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے ہمارے علم کے مطابق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے کسی نے قبضے کو واجب نہیں لکھا سب نے اس کو سنت لکھا ہے۔

الجواب

زید صاحب نے فقہاء کرام کی ان عبارتوں کو کہ جن میں انھوں نے ایک مشت داڑھی کو سنت لکھا ہے نقل کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ ان کے نزدیک ایک مشت داڑھی سنت ہے مگر وہ اقوال نقل نہیں کیے کہ جن میں فقہاء کرام نے کہ قبضہ سے داڑھی کم کرنے کو غیر مسلموں اور ہیجڑوں کا فعل قرار دیا ہے کیونکہ اگر وہ انکے ان اقوال کو نقل کر دیتے تو وہ انکے موقف کے خلاف دلیل ثابت ہوتے اب ہم فقہاء کرام کی وہ عبارتیں پیش کر رہے ہیں کہ جن میں انھوں نے داڑھی کو ایک مشت سے کم کرنے کو ناجائز کہا ہے۔

علامہ ابن ھمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

" واما الاخذ منها و هی دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة و المخنثة من الرجال فلم يبحه احد. (

ج ۲ ص ۲۷۰)

ترجمہ: اور داڑھی کم کرنا درآنحالیکہ وہ اس (قبضے) سے کم ہو جیسا کہ بعض مغربی اور مردوں میں سے ہجڑے کرتے ہیں۔ اسے کسی نے بھی جائز نہیں کہا۔

اسی طرح علامہ ابن نجیم مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

واما الاخذ منها و هی دون ذلك كما يفعل بعض المغاربة والمخنثة من الرجال فلم يبحه احد

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۸۰)

ترجمہ: اور داڑھی کم کرنا درآنحالیکہ وہ اس (قبضے) سے کم ہو جیسا کہ بعض مغربی اور مردوں میں سے ہجڑے کرتے ہیں۔ اسے کسی نے بھی جائز نہیں کہا۔

اسی طرح علامہ حسن بن عمار شرنبلالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

واما الاخذ من اللحيه و هی دون القبضة كما يفعله بعض المغاربة فلم يبحه احد و اخذ كلها فعل مجوس الاعاجم واليهود والهنود و بعض اجناس الافرنج

(ص ۲۰۸ حاشیہ الدرر والغرر ج ۱ میر محمد کتب خانہ)

ترجمہ: اور داڑھی کو کاٹنا درآنحالیکہ وہ ایک مشت سے کم ہو جیسا کہ بعض مغاربہ کرتے ہوں کسی نے جائز نہیں کہا۔ اور پوری ہی داڑھی کو کاٹ لینا عجمی یہودیوں اور ہندوؤں اور بعض فرنگیوں کا کام ہے۔

اسی طرح علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

واما الاخذ منها وهی دون ذلك كما يفعل بعض المغاربة و مخنثة الرجال فلم يبحه احد

(ردالمحتار ج ۳ ص ۳۹۸)

علامہ سید احمد طحطاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

والاخذ من اللحية وهو من دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة و مخنثة الرجال لم يبحه احد و اخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الاعاجم.

(حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۶۱۵ مکتبہ نور محمد اصح المطابع)

ترجمہ: علامہ شلبی علیہ رحمۃ الرحمان فرماتے ہیں۔

واما الاخذ منها و هی دون ذلك كما يفعله بعض المغاربه و مخنثة الرجال فلم يبحه احد

(مکتبہ حقانیہ شلبی علی تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۳۲)

ہم نے چھ مستند فقہائے کرام کی عبارتیں نقل کیں جس سے یہ

ثابت ہوتا ہے کہ جب داڑھی ایک مشت سے کم ہو تو اسے کاٹنا جائز ہے۔
اس کے برعکس زید صاحب کے نزدیک ایک مشت سے داڑھی کم کرنے
میں کوئی قباحت نہیں۔ قواعد فقہیہ کی رو سے ناجائز کا اطلاق مکروہ تحریمی اور
حرام پر کیا جاتا ہے۔ جبکہ خلاف اولی اور مکروہ تنزیہی حلال و جائز کی اقسام
میں سے ہیں جیسا کہ صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

المکروہ نوعان مکروہ کراھۃ تنزیھہ وھو الی الحل اقرب و مکروہ کراھۃ تحریم وھو الی الحرام اقرب

(توضیح وتلویح ص ۶۸۶ مکتبہ نور محمد اصح المطابع)

ترجمہ: ''مکروہ کی دو قسمیں ہیں۔ مکروہ تنزیہہ جو کہ حلال کے
نزدیک ہے اور مکروہ تحریمی جو کہ حرام سے قریب ہے۔''

اسی طرح علامہ شامی علیہ الرحمہ نے بھی مکروہ تنزیہی کو جائز ہی کی
اقسام سے شمار فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں

مطلب: قد یطلق الجائز علی مالا یمتنع شرعا فیشمل المکروہ و قد یقال اطلق الجائز واراد بہ ما یعم المکروہ ففی الحلیہ عن اصول ابن حاجب انہ قد یطلق و یراد بہ مالا یمتنع شرعا وھو یشمل المباح و المکروہ

والمندوب والواجب اھ لکن الظاھر ان المراد المکروہ تنزیھا لان المکروہ تحریما ممتنع شرعا منعا لازما

(ردالمحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۴۲ مکتبہ امدادیہ)

ترجمہ: کبھی جائز کا اطلاق اس پر کر دیا جاتا ہے جو شرعاً ممنوع نہ
ہو پس وہ مکروہ کو شامل ہوگا۔ اور کبھی کہا جاتا ہے کہ جائز کا اطلاق کیا گیا اور
اس سے مراد وہ لیا جاتا ہے جو مکروہ کو عام ہو۔ پس حلیہ میں اصول ابن
حاجب سے ہے کہ کبھی مطلقاً جائز کہہ دیا جاتا ہے اور اس سے مراد وہ لیا جاتا
ہے جو کہ شرعاً ممنوع نہ ہو اور مباح، مکروہ، مندوب اور واجب کو شامل ہوتا
ہے۔ لیکن ظاہر تر یہی ہے کہ اس سے مراد مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ مکروہ تحریمی
شرعاً لازمی طور پر ممتنع ہوتا ہے۔

صدر الشریعۃ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات کے بعد
یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جن فقہاء کرام نے ایک مشت کے بعد
کاٹنے کو ناجائز قرار دیا ہے اس سے انکی مراد مکروہ تحریمی ہے لہٰذا علامہ ابن
ھمام، ابن نجیم مصری، شلبی، شرنبلالی، طحطاوی رحمہم اللہ نے داڑھی میں قبضہ کو
سنت قرار دیا ہے اس سے مراد قبضہ کا وجوب سنت سے ثابت ہے۔ کیونکہ
ان کے سنت کے قول میں مذکورہ تاویل نہ کیجائے تو تضاد لازم آئے گا اس
قسم کی تاویل کرنا کوئی انوکھی بات نہیں ہے فقہاء کرام کی کتب میں اس قسم کی

تاویلات بکثرت ملتی ہیں جیسے کہ باجماعت نماز کا مسئلہ ہے اس کے بارے میں متون مذہب میں سنت ہی کا قول کیا گیا ہے مگر شارحین نے اس کے دلائل میں غور کر کے واجب قرار دیا ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے۔

الجماعة سنة مؤكدة كذا في المتون و الخلاصة والمحيط و محيط السرخسي و في غاية قال عامة مشائيخنا انها واجبة وفي المفيد و تسميتها سنة لوجوبها بسنة.

(فتاوی عالمگیری ج ا ص ۸۲ مکتبہ رشیدیہ)

علامہ ابن ہمام صاحب ہدایہ کے قول " الجماعة سنة مؤكدة " کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اذ مقتضاه الوجوب الا لعذر الا ان يريد ثبوتها لسنة

(فتح القدیر ص ۳۰۰ ج ا)

ترجمہ: اس کا مقتضاء جماعت کا وجوب ہے سوائے کسی عذر کی بنا پر مگر اس سے مراد یہ لی جائے کہ یہ سنت سے ثابت ہے۔

اسی طرح صاحب کفایہ فرماتے ہیں۔

قوله الجماعة سنة مؤكدة قوية تشبه الواجب

في القوة حتى استدل بمعاهدتها على وجوب الايمان بخلاف سائر المشروعات و هي التي يسميها الفقها، سنة الهدى اى اخذها هدى وتركها ضلال.

(عنایہ ج ا ص ۲۹۹)

صاحب بحرالرائق فرماتے ہیں

الجماعة سنة مؤكدة اى قوية تشبه الواجب في القوة.

(البحر الرائق ج ا ص ۳۴۴)

اختصار کے پیش نظر ہم انہی فقہاء کرام کی عبارات پر اختصار کرتے ہیں ورنہ اس سلسلے میں علامہ شامی، طحطاوی، شرنبلالی وغیرھم فقہاء کرام کے اقوال بھی ان کی کتب میں موجود ہیں ہمارے نزدیک یہاں بھی یہی معاملہ ہے کہ فقہائے کرام نے قبضہ کے بارے میں سنت کا قول کیا ہے مگر جب اسکے دلائل میں غور کیا جائے تو قبضہ کا وجوب ثابت ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم پیچھے ثابت کر آئے ہیں۔

زید صاحب نے فقہاء کرام کے سنت کے قول کو قبضہ کے وجوب کے رد کیلئے استعمال کر کے مغالطہ آفرینی کی کوشش کی ہے کیونکہ ان فقہاء کے یہ اقوال داڑھی کو ایک مشت سے کم کرنے کے سلسلے میں وارد نہیں ہوئے ہیں بلکہ وہ صاحب نہایہ اور حسن بصری رحمہما اللہ وغیرہ کے رد میں ہیں کیونکہ

ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اسکے چھوڑنے میں عافیت ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کے حکم ''داڑھیاں بڑھاؤ'' کے تحت اپنا کرنا ہی زیادہ پسندیدہ ہے لیکن ظاہر بات قولِ اول ہی ہے یعنی (کہ ایک مشت کے بعد داڑھی کاٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے) کیونکہ بے تحاشہ لمبی داڑھی سے طبیعت کو وحشت ہوتی ہے اور غیبت کرنے والوں کی زبانیں اُس پر دراز ہو جاتی ہیں۔ پس اس اچھی نیت کے ساتھ بے تحاشہ بڑھی ہوئی داڑھی سے بچنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مذکورہ عبارت سے درج ذیل امور ظاہر ہوتے ہیں۔

(الف) ایک مشت سے زائد داڑھی کاٹنا سنت مؤکدہ ہے۔

(ب) اگر داڑھی میں چند ایک بال لمبے ہو جائیں تو اسے کاٹ کر برابر کر لینا سنت ہے۔

(ج) علماء کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اگر داڑھی ایک مشت سے زیادہ لمبی ہو جائے تو اسے کاٹ کر ایک مشت تک کم کر لینا پسندیدہ ہے یا مکروہ ہے، صحابہ کرام میں سے ابن عمر رضی اللہ عنہ اور تابعین کی ایک جماعت نے ایک مشت کے بعد داڑھی کاٹی جبکہ حسن، قتادہ رضی اللہ عنہ اور انکے پیروکاروں کے نزدیک لمبی داڑھی میں سے کچھ کم کر لینا مکروہ ہے بلکہ اسے اپنی حالت ہی پر رہنے دیا جائے اور انھوں نے سرکار

دو عالم ﷺ کے حکم ''داڑھیاں بڑھاؤ'' سے استدلال کیا ہے۔

(د) مگر علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھی نیت کے ساتھ ایک مشت سے زیادہ بڑھی ہوئی داڑھی کو کاٹنا جائز ہے۔

مذکورہ بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فقہاء کرام نے قبضہ کو جو سنت لکھا ہے وہ دراصل ان لوگوں کے رد میں ہے جو داڑھی کو ایک مشت کے بعد بھی کاٹنے کو منع کرتے ہیں اور جہاں تک زید صاحب کا قبضہ کو مطلقاً سنت یا مستحب قرار دیکر ایک مشت سے داڑھی کو کم کرنے کے جواز کو ثابت کرنا وہ قطعاً درست نہیں ہے کیونکہ فقہاء کرام کی عبارتیں صریحاً ان کے مؤقف کے خلاف ہیں۔ وہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کہ جنکے بارے میں زید صاحب نے قبضہ کے بارے میں سنت یا استحباب کا قول نقل کیا ہے وہ خود زید صاحب کا ردان الفاظ میں فرما رہے ہیں۔

و سیجئ استحباب اخذ اللحیة طولا و عرضا لکنه مقید بما اذا زاد علی القبضة و هذا فی الابتداء واما بعد ما طالت فقالوا لا یجوز قصها کراهة ان تصیر مثلة واقول ینبغی ان یدرج فی اخذ ها لتصیر مقدار قبضة علی ما هو سنة و اعتدال متعارف لانه یاخذها بالمرة فیکون مثلة

ترجمہ: اور عنقریب داڑھی میں سے طولا اور عرضا لینے کے استحباب کا بیان آئیگا مگر یہ فعل اسی داڑھی کیساتھ مقید ہے جب وہ قبضہ سے زائد ہوجائے اور یہ بھی ابتداء میں مگر جب داڑھی بڑھ جائے تو اس کے بارے میں علماء نے فرمایا کہ لمبی داڑھی کے مثلہ ہونے کی کراہت کی وجہ سے کم کرنا جائز نہیں ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ داڑھی کو اس قدر کاٹنا چاہیے کہ وہ قبضہ کی مقدار تک ہو جائے جو کہ سنت اور میانہ روی کا معروف انداز ہے۔ مگر ایک دم سے نہ کاٹے کہ کہیں وہ مثلہ نہ ہو جائے۔

(مرقات المفاتیح ج ۸ ص ۲۱۱)

زید صاحب نے چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے غلط مؤقف کو ثابت کرنے کے لئے علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کی عبارت کا سیاق وسباق چھوڑ کر صرف وہی جملہ لے لیا جسے وہ اپنے غلط مؤقف پر دلیل بنا سکتے تھے ہم نے علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی وہ عبارت خط کشیدہ کردی ہے جو زید صاحب کے مؤقف کے صریحا خلاف ہے علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے صاف صاف لفظوں میں وضاحت فرمادی کہ داڑھی کے جس حصے کو کاٹنا مستحب ہے وہ وہی حصہ ہے جو کہ قبضے سے زائد ہوجائے وہ بھی صرف ابتداء میں۔ اور اگر زیادہ لمبی ہوجائے تو علماء کے نزدیک اس کا کاٹنا مکروہ ہے اور آخر میں یہ بھی فرمادیا کہ داڑھی کاٹنے میں احتیاط کرے

ورنہ مثلہ ہوجائے گی۔

(علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے مثلہ کرنے سے اس لئے منع فرمایا کہ مثلہ کرنا حرام ہے اور انکی مذکورہ بالا عبارت سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انکے نزدیک ایک مشت سے داڑھی کم کرنا مثلہ ہے اور مثلہ کرنا حرام ہے۔ اسی طرح زید صاحب نے اپنی اسی کتاب میں داڑھی کی مقدار میں فقہاء احناف کا نظریہ بیان کرتے ہوئے علامہ بدرالدین عینی، علامہ زبیدی حنفی اور علامہ ابن ھمام کی جو عبارات لکھی ہیں وہ کسی طرح بھی انکے لیئے مفید نہیں ہیں کیونکہ ان تمام عبارتوں میں یہ صراحت موجود ہے کہ داڑھی اسی وقت کاٹی جائیگی کہ جب وہ ایک مشت سے زائد ہوجائے جبکہ علامہ ابن ھمام کی عبارت تو صریحا انکے خلاف ہے کیونکہ انھوں نے تو صاف صاف لفظوں میں فرمایا کہ ایک مشت سے داڑھی کم کرنا فرنگیوں اور ہیجڑوں کا فعل ہے اسی طرح علامہ ابن نجیم مصری، علامہ شرنبلالی، علامہ شلبی، علامہ طحطاوی اور ابن عابدین شامی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسے فرنگیوں اور ہیجڑوں کا فعل قرار دیا ہے جیسا کہ ہم نے ان کی عبارتیں گذشتہ صفحات پر نقل کی ہیں۔

ہیجڑوں سے مشابہت کرنا حرام ہے رسول اللہ ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

" قال لعن النبی ﷺ المخنثین من الرجال

ترجمہ: اور داڑھی میں لینا جبکہ وہ قبضہ سے ہو جیسا کہ بعض اہل مغرب کرتے ہیں اسے کسی نے بھی جائز نہیں کیا۔

زید صاحب اس صفحہ پر اسی ہیرا پھیری والے انداز میں مزید لکھتے ہیں۔

''ثانیاً یہ ٹھیک ہے کسی نے اسکو مباح نہیں کہا لیکن کسی نے قبضہ سے کم داڑھی کاٹنے کو حرام یا مکروہ تحریمی بھی نہیں کہا حتی کہ قبضہ کا وجوب ثابت ہو۔''

زید صاحب نے '' لم یبحه احد '' کا ترجمہ ''مباح'' کر کے دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے تا کہ اپنا مطلب نکال لیں مگر علامہ ابن ہمام کی عبارت انھیں جھوٹا ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کیونکہ اس عبارت میں لم یبحه احد کا ترجمہ مباح ہوتا تو علامہ ابن ہمام علیہ رحمۃ الرحمان ایک مشت سے کم داڑھی کرنے والوں کو ہیجڑا کیوں قرار دیتے انہیں اتنا برا کیوں کہتے حالانکہ مباح کا ترک ہرگز ہرگز خلاف اولی بھی نہیں ہے تو پھر علامہ ابن ہمام نے ایسا کیوں فرمایا؟ جواب صاف ظاہر ہے کہ علامہ ابن ہمام کی ''لم یبحه احد'' سے مراد مباح شرعی کے بجائے ''ناجائز'' یا ''غیر حلال'' ہے جیسا کہ مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا محدث علیہ رحمۃ الرحمان نے اس کا ترجمہ فرمایا ہے۔ اور ہم احقاق حق نمبر (۶)

المترجلات من النسا، و قال اخرجوهم من بيوتكم''

رواه البخاری

(مشکوۃ المصابیح ص ۳۸۰ قدیمی کتب خانہ)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے لعنت فرمائی مرد مخنثین اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت کرے۔ اور فرمایا کہ ان کو اپنے گھروں سے نکال دو۔

لیکن زید صاحب نے امام ابن ہمام کی عبارت کو اصل معنوں سے پھیرنے کی درج ذیل الفاظ میں کوشش کی ہے۔

''بعض علماء کہتے ہیں کہ اس عبارت میں علامہ ابن ہمام نے قبضہ کو واجب کہا ہے یہ صحیح نہیں اول تو یہ عبارت قبضے کے متعلق نہیں یہ داڑھی کے اکثر اور غالب حصے کے متعلق ہے اور وہ قبضے سے عام ہے۔''

مگر زید صاحب کا ہیرا پھیری کر کے اس عبارت سے قبضے کی نفی کرنا کسی کام نہ آئے گا جبکہ حسن بن عمار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عبارت میں صریحاً قبضے کا لفظ استعمال کیا ہے۔ علامہ حسن بن عمار علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

واما الاخذ من اللحيه وهی دون القبضة كما يفعله بعض المغاربة فلم يبحه احد.

(الحاشیہ علی الدرر ج ۱ ص ۲۰۸)

میں علامہ شامی علیہ الرحمۃ اور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے حوالے سے یہ بات ثابت کر آئے ہیں کہ ناجائز کا اطلاق مکروہ تحریمی یا حرام پر ہوتا ہے لہٰذا یہ بات ظاہر ہوگئی کہ علامہ ابن ہمام، ابن نجیم مصری علامہ شلبی، حسن بن عمار طحطاوی اور علامہ شامی کے نزدیک ایک مشت داڑھی میں سے کم کرنا مکروہ تحریمی ہے اور مکروہ تحریمی کے مقابل واجب ہوتا ہے لہٰذا ان سب کے نزدیک داڑھی میں قبضہ واجب ہے چنانچہ یہ ضروری ہے کہ ابن ہمام علیہ الرحمہ کے داڑھی کے متعلق سنیت کے قول میں یہ تاویل کہ جائے کہ قبضہ کا وجوب سنت سے ثابت ہے۔

زید صاحب نے امام ابن ہمام رحمہ اللہ کے کلام کو فاسد تاویل کے ذریعے اپنے حقیقی معنی سے پھیرنے کے لئے تیسری کوشش بھی کی ہے مگر اس قسم کی فاسد تاویلات انھیں کچھ بھی فائدہ نہیں دیں گی زید صاحب اس سلسلے میں مزید لکھتے ہیں۔ ''ثالثاً علامہ ابن ہمام نے اسی صفحہ پر یہ تصریح کی ہے کہ داڑھی میں قدر مسنون قبضہ ہے یہ اس بات پر نص ہے کہ قبضہ سنت ہے واجب نہیں ہے علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں۔ ''وھو ای القدر المسنون فی اللحیۃ القبضۃ''

ترجمہ: اور وہ یعنی داڑھی میں مقدار مسنون قبضہ ہے

اس لیئے علامہ ابن ہمام کی اس دوسری عبارت میں تاویل کرنا

ضروری ہے تاکہ ان کی دو عبارتیں متعارض نہ ہوں اور وہ تاویل یہ ہے کہ اباحت تحسین کے معنی میں ہے اور ''فلم یبحہ احد'' اس کو کسی نے مباح نہیں کہا'' کا معنی ہے ''لم یحسنہ احد'' اس کی کسی نے تحسین نہیں کی ہے'' یعنی قبضہ سے کم داڑھی کاٹنے کو کسی نے مستحسن نہیں کہا۔

فقیر کہتا ہے کہ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کے کلام میں اس ناجائز تاویل کی قطعاً ضرورت نہیں ہے ان کی عبارت میں کوئی تعارض نہیں پایا جاتا کیونکہ لفظ سنت عام ہے جو کہ سنت مؤکدہ اور واجب کو عام ہے جیسا کہ ہم نے گذشتہ صفحات میں شمس الائمہ سرخسی، مکحول، صدر الشریعہ، علامہ شامی وغیرہم کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اذان، جماعت، صلوۃ عیدین، سنن ھدی میں سے ہیں۔ جبکہ جماعت اور صلوۃ عیدین وجوب کے درجے میں ہیں۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ منحۃ الخالق میں بیان فرماتے ہیں۔

ان اطلاق اسم السنۃ لاینفی الوجوب بعد قیام الدلیل علی وجوبھا (منحۃ الخالق علی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۷)

ترجمہ: کسی حکم کے وجوب پر دلیل قائم ہوجائے تو اسے سنت کہنے سے اس کے وجوب کی نفی نہیں ہوتی۔

اسی طرح اگر علامہ ابن ہمام نے داڑھی کو سنت کہا ہے تو اس سے کوئی حرج نہیں ہے اس سے داڑھی کے وجوب کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ خود

صاحب نہایہ کے نزدیک ایک مشت کے بعد کاٹنا واجب ہے اور حسن اور قتادہ رحمہما اللہ کے نزدیک داڑھی کو مطلقا کاٹنا ہی مکروہ ہے۔

جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقات میں صاحب نہایہ سے نقل فرماتے ہیں۔

(۱) و فی النهاية شرح الهداية: واللحية عندنا طولها بقدر القبضة بضم القاف وما وراء ه ذلك يجب قطعه

ترجمہ: ھدایہ کی شرح نہایہ میں ہے کہ داڑھی کی لمبائی ہمارے نزدیک ایک قبضہ ہے اور ایک قبضہ سے زیادہ کاٹنا واجب ہے۔ پھر صاحب نہایہ کے وجوب کے قول کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں

(۲) وقوله يجب بمعنى ينبغى او المراد به انه سنة مؤكدة قريبة الى الوجوب والا فلا يصح على اطلاقه وقال ابن الملك تسوية شعر اللحية سنة و هى ان يقص كل شعرة اطول من غيرها ليستوى جميعها وفى الاحيا. قد اختلفوا فيما طال من اللحية فقيل ان قبض الرجل على لحيته و اخذ ما تحت القبضة فلا باس به و قد فعله ابن عمر وجماعة من التابعين واستحسنه

الشعبى وابن سيرين وكرهه الحسن وقتادة ومن تبعهما وقالوا تركها عافية احب لقوله ﷺ اعفوا اللحى لكن الظاهر هو القول الاول فان الطول المفرط يشوه الخلقة و يطلق السنة المغتابين بالنسبة اليه فلا باس للاحتراز عنه على هذه النية

(مرقاۃ المفاتیح ج ۸ ص ۲۲۳)

ترجمہ: اور انکا کہنا واجب ہے دراصل "چاہیے" کے معنوں میں ہے یا اس سے مراد ایسی سنت مؤکدہ ہے جو کہ وجوب کے قریب ہے ورنہ ان کا قول اپنے اطلاق کے اعتبار سے درست نہیں ہے اور ابن ملک نے فرمایا داڑھی کے بالوں کو برابر کرنا سنت ہے اسکی کیفیت یہ ہے کہ جو بال دوسرے بالوں کے مقابلے میں لمبا ہو اسے کاٹ دیا جائے تاکہ تمام بال برابر ہو جائیں اور احیاء میں ہے کہ علماء کرام کا لمبی داڑھی میں سے کاٹنے کے معاملے میں اختلاف ہے پس کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر مٹھی سے باہر رہ جانے والے حصے کو کاٹ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور تحقیق ابن عمر اور تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت نے ایسا ہی کیا ہے۔ اور شعبی اور ابن سیرین رحمہم اللہ نے اس کی تحسین کی ہے جبکہ حسن اور قتادہ رحمہم اللہ اور اگلے تابعین نے ناپسند کیا

انکا قول ''کہ ایک مشت سے داڑھی کم کرنا ہیجڑوں کا فعل ہے۔'' نص صریح ہے کہ داڑھی واجب ہے ان تمام تشریحات کے باوجود اگر کچھ لوگ ہٹ دھرمی کرتے رہیں اور کہتے رہیں کہ ایک مشت سے داڑھی کم کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے بلکہ مباح ہے تو ہم انھیں خبردار کرتے ہیں کہ وہ علامہ ابن ہمام، علامہ ابن نجیم مصری، علامہ شلبی، علامہ حسن بن عمار، علامہ طحطاوی، علامہ شامی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، امام احمد رضا خان بریلوی اور دیگر علمائے امت کے نزدیک فرنگیوں اور ہیجڑوں کے سے فعل کے مرتکب ہو کر ہیجڑے اور فرنگی کہلانے کے مستحق ہوں گے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جو کہ نہ صرف دنیا بلکہ آخرت کے بھی خسران کا باعث ہے۔

(العیاذ باللہ تعالیٰ)

اعتراض (۷)

زید صاحب حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اور ایک متاخر عالم شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے محض اپنی رائے سے یہ لکھا کہ قبضہ واجب ہے اور فقہاء کی ان عبارات میں سنت سے مراد یہ ہے کہ قبضہ کا وجوب سنت سے ثابت ہے اور

بعد کے بعض علماء نے بھی شیخ رحمہ اللہ کی پیروی کی۔ (واضح رہے کہ شیخ نے قبضہ کو واجب لکھا لیکن وجوب پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی) ہمارے نزدیک شیخ کی یہ تاویل صحیح نہیں ہے کیونکہ تاویل کی ضرورت اسوقت ہوتی ہے جب دلائل شرعیہ اور قواعد فقہیہ سے قبضہ کا وجوب ثابت ہوتا ہو۔ اور اسکے برخلاف فقہاء نے قبضہ کو سنت کہا ہوتا تب یہ کہنا درست ہوتا کہ یہاں سنت سے مراد یہ ہے کہ قبضہ کا وجوب سنت سے ثابت ہے، جبکہ یہاں معاملہ اسکے برعکس ہے''۔

الجواب

زید صاحب کی عبارت میں خط کشیدہ الفاظ قابل توجہ ہیں زید صاحب نے ان الفاظ کے ذریعے شیخ عبدالحق محدث دھلوی رحمہ اللہ کی طرف حرام فعل کی نسبت کی ہے کیونکہ بغیر حجت شرعیہ کے فتوی دینا اور عمل کرنا حرام ہے جیسا کہ علامہ عبدالعلی رحمہ اللہ نے فواتح الرحموت میں تصریح فرمائی ہے آپ فرماتے ہیں

(لانه لابد من حجة شرعية) لان الفتوى والعمل من غير حجة شرعية حرام (فواتح الرحموت ج۲ص ۱۸۷)

ترجمہ: (ضروری ہے کہ دلیل شرعی ہو) کیونکہ بغیر دلیل شرعی

کے فتوی دینا اور عمل کرنا حرام ہے۔ والعیاذ باللہ شیخ محقق کی طرف حرام فعل کی نسبت کرنا ظلم عظیم ہے۔

حالانکہ شریعت اسلامیہ نے تو ایک عام مسلمان کے بارے میں برا گمان کرنے کی اجازت نہیں دی چہ جائیکہ اس پر الزام تراشی کی جائے مگر زید صاحب جوش تعصب میں تمام اخلاقی اور شرعی حدود پھلانگ گئے اور اللہ تعالی کے ایک ولی، عاشق رسول ﷺ ایک بے مثال عالم دین کی طرف حرام فعل کی نسبت کر کے ایک ایسے قبیح فعل کا ارتکاب کیا جسکی توقع ایک عام مسلمان سے بھی نہیں کی جاسکتی۔ یقیناً یہ کام ایک منافق ہی کر سکتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ لایستخف بحق ثلث الا منافق بین النفاق ذو الشیبۃ فی الاسلام وذو العلم وامام مقسط رواہ الطبرانی فی الکبیر

ترجمہ: تین شخصوں کے حق کو ہلکا نہ جانے گا مگر کھلا منافق ایک وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا اور عالم دین اور بادشاہ اسلام عادل۔

بہر حال ہم زید صاحب کو اسطرح کی گالیاں دینے سے تو قاصر ہیں جو انھوں نے شیخ کی طرف منسوب کی۔ مگر اللہ تعالی کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ اے مالک و مولا تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے معاملے میں زید سے انصاف کا معاملہ فرما۔ (آمین)

اور جو زید نے قوسین (بریکٹ) کے درمیان میں لکھا ہے کہ "واضح رہے کہ شیخ نے قبضہ کو واجب لکھا لیکن وجوب پر کوئی دلیل ذکر نہیں" اس سے یہ بات کہاں ثابت ہوتی ہے کہ انھیں اس قول کی دلیل بھی نہیں معلوم تھی حالانکہ عدم ذکر عدم علم پر دلالت نہیں کرتا۔ زید صاحب کو اس معاملے میں حسن ظن سے کام لینا چاہئے تھا اسکے بعد ان کی مرضی تھی کہ وہ اسے تسلیم کرتے یا نہ کرتے کیونکہ عربی زبان کا مشہور مقولہ ہے کہ اذا فاتک الادب فلزمت الصمت واذا فاتک الحیاء فافعل ماشئت

الحمد للہ اس عاجز و فقیر نے بفیضان ارواح شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی اور امام اہلسنت اعلحضرت رحمۃ اللہ علیہما کے قبضہ کے وجوب پر گذشتہ صفحات پر مستقل چھ دلیلیں بیان کی ہیں اس لئے یہ فقیر انتہائی وثوق اور اعتماد سے کہتا ہے کہ شیخ محقق علیہ الرحمہ نے فقہاء کرام کے اقوال میں جو تاویل فرمائی ہے وہ بالکل درست ہے۔

البتہ یہ سگ بارگاہ شیخ محقق و اعلحضرت کہتا ہے کہ زید نے صاحب فتح القدیر امام ابن ہمام کے کلام میں جو تاویل کی ہے وہ انتہائی دور از کار ہے اور فاسد ہے جیسا کہ ہم اسکو ثابت بھی کر چکے ہیں۔ اس لئے ہم زید صاحب کے الفاظ کو انہی کے لئے دہرا دیتے ہیں، ہو کہ انھوں نے شیخ

محقق کے لئے استعمال کئے ہیں ہم زید صاحب سے کہتے ہیں کہ اگر دلائل شرعیہ اور قواعد فقہیہ کا لحاظ کئے بغیر اس قسم کی تاویل کو جائز قرار دیا جائے تو پھر فقہاء کی اصطلاحی تصریحات بازیچۂ اطفال بن جائیں گی۔ اور ہر شخص فقہاء کی تصریحات کو اپنی رائے کے مطابق تبدیل کر سکے گا۔ واجب کو کہہ دے گا کہ یہ ثابت کے معنوں میں ہے فرض کو کہہ دے گا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حرام نہیں ہے لہذا اس کا کرنا ضروری نہیں ہے اور حرام کو کہہ دے گا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ فرض نہیں ہے لہذا اس کا ترک کر دینا ضروری نہیں اور اس کا فعل جائز ہے۔

(العیاذ باللّٰہ تعالی)

یہ فقیر کہتا ہے کہ خود زید صاحب اس قسم کی حرکات کا ارتکاب کئی مقامات پر کر چکے ہیں اول تو انھوں نے علامہ زبیدی حنفی کی عبارت کو نقل کرنے کے بعد یہ لکھا کہ

'' اس بات میں یہ تصریح ہے کہ جمہور ائمہ کے نزدیک داڑھی بڑھانا اولیٰ ہے جسکا تقاضا ہے کہ داڑھی کو کاٹ کر کم کرنا خلاف اولیٰ ہے حرام نہیں ہے''۔

اس عبارت میں زید صاحب نے یہ دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے کہ مطلقاً داڑھی کو کاٹنا خواہ وہ قبضہ سے کم ہو یا زیادہ خلاف اولیٰ ہے۔

حالانکہ علامہ زبیدی کا کلام اس داڑھی کے متعلق ہے جو کہ قبضہ سے زیادہ ہو اور کاٹ کر کم کرنے سے مراد داڑھی کا وہ حصہ ہے جو کہ قبضے سے زائد ہو۔

دوم زید نے علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کے قول '' اور اس سے مزید داڑھی کم کرنا جیسا کہ بعض فرنگی اور ہیجڑے کرتے ہیں اسکو کسی نے جائز نہیں کہا''۔ میں فلم یبحہ احد کا ترجمہ ''مباح نہیں کہا'' کر کے علمی خیانت کا ارتکاب کیا ہے پھر مزید اسی عبارت کے عتاب سے بچنے کے لئے اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے غلط نتیجہ نکالتے ہوئے یوں لکھا '' ثانیا یہ ٹھیک ہے کہ کسی نے اسکو مباح (صحیح ترجمہ جائز یا حلال ہوگا۔ عطاری) نہیں لکھا لیکن کسی نے قبضہ سے کم داڑھی کاٹنے کو حرام یا مکروہ تحریمی بھی نہیں کہا حتی کہ قبضہ کا وجوب ثابت ہو''۔

ہم نے زید صاحب کی دو علمی خیانتیں نقل کر دی ہیں انکو دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ شاید اردو زبان کا محاورہ '' الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' زید صاحب جیسے ہی لوگوں کے لئے کہا گیا ہے کیونکہ انھوں نے شیخ محقق عبدالحق محدث دھلوی رحمہ اللہ کے بارے میں اس قسم کی علمی خیانت کی نسبت کی ہے مگر اسے ثابت نہ کر سکے جبکہ خود انکے کلام میں اس قسم کی علمی خیانتیں موجود ہیں۔

اعتراض (۸)

زید صاحب لکھتے ہیں

اس سلسلے میں ایک شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ جن حضرات نے قبضہ بھر داڑھی کو سنت کہا ہے ان کی مراد یہ ہے کہ داڑھی میں قبضہ اگر چہ واجب ہے مگر اس کا ثبوت سنت سے ہے جیسا کہ فقہاء کرام نے عید کی نماز کو باوجود واجب ہونے کے اسی بناء پر سنت کہا ہے اس دلیل میں سخت مغالطہ آفرینی کی گئی ہے نماز عید کا معاملہ یہ ہے کہ نماز عید کے متعلق امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں منقول ہیں ایک میں نماز عید کو واجب کہا ہے اور ایک میں سنت۔ بعض فقہاء مثلاً صاحب ھدایہ نے واجب کے قول کو ترجیح دی ہے اور سنت کے قول کی تاویل کی ہے کہ اس کا ثبوت سنت سے ہے۔ سو اگر داڑھی میں قبضہ کے متعلق بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دو قول ہوتے ایک ''وجوب کا'' دوسرا ''سنت کا'' تو یہ بات درست ہوئی۔

الجواب

زید صاحب نے اس عبارت میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف نماز عید کے متعلق نسبت کر کے علماء کرام کے مؤقف کو کمزور کرنے کے لئے دلیل بنایا ہے حالانکہ علماء کرام نے جو بات بیان کی ہے وہ ہمارے فقہاء کرام کی عادت کے عین مطابق ہے کیونکہ فقہاء کرام عموماً واجب کو سنت

اس لئے کہہ دیتے ہیں کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے پچھلے صفحات میں اعتراض (۶) کے جواب کی تفصیل میں نماز باجماعت کے بارے میں فقہاء کرام کے اقوال نقل کئے ہیں۔ البتہ زید صاحب نے علماء کرام کی طرف سے نماز عید کو مقیس علیہ لکھا ہے اس میں ہمیں شک ہے کہ علماء کرام نے نماز عید کو مقیس علیہ بنایا ہے یا نہیں کیونکہ فقیر کی نظر سے اس باب سے متعلق علماء کرام کوئی ایسی عبارت نہیں گذری۔ بہر حال یہ فقہاء کرام کی عادت ہے کہ جب ان کے سامنے کسی مسئلے کا وجوب ظاہر ہو جائے تو وہ متقدمین کے اقوال میں ہے یہ کہہ کر تاویل کرتے ہیں کہ سنت سے مراد اسکا وجوب سنت سے ثابت ہے۔

زید صاحب کی تنگ نظری

زید صاحب نے اپنی اسی کتاب میں داڑھی میں قبضہ کے وجوب کے قائلین پر قرآن مجید کی وہ آیات چسپاں کی ہیں جو کہ یہود و ہنود و نصاری اور دیگر کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہیں زید صاحب نے ان آیات طیبات کو بالکل اسی طرح استعمال کیا ہے جسطرح وہابی اور دیوبندی قرآن مجید کی ان آیات کو اہل سنت کے خلاف استعمال کرتے ہیں یہ ایک نہایت ہی افسوس ناک امر ہے جس کا ایک پہلو تو اس کا غماز ہے کہ زید صاحب اپنے نظریات میں انتہائی تنگ نظر اور متعصب ہیں اور دوسرا پہلو اس بات

کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ زید صاحب کے یہاں سلف وصالحین کی کوئی عزت وآبرو نہیں ہے بلکہ اپنی خود ساختہ تحقیق کے مقابلے میں ہر ایک کو ہیچ سمجھتے ہیں حالانکہ وہ اس بات سے خوب اچھی طرح واقف ہیں کہ فقہاء متقدمین کا بعض مسائل میں اختلاف کے باوجود آپس میں کس قسم کا تعلق تھا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی مسائل میں اختلاف کے باوجود کبھی بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی بھی سخت قسم کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ جب امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مزار پر فجر کی نماز پڑھی تو اپنی تحقیق کو چھوڑ کر امام اعظم کے طریقے کے مطابق نماز پڑھی اور استفسار پر ارشاد فرمایا کہ مجھے صاحب قبر سے حیاء آتی ہے۔ اس کے برعکس زید صاحب نے شیخ محقق اور اعلحضرت علیہما الرحمۃ اور انکے معتقدین کو یہود ونصاریٰ کے گمراہ علماء اور گمراہ عوام سے تشبیہ دیتے ہوئے قرآن مجید کی کئی آیات مع تفسیر چسپاں کردی ہیں۔ زید صاحب لکھتے ہیں

اتخذوا احبارهم و رهبانهم اربابا من دون الله

(القران توبہ۔۳۱)

ترجمہ: ''انھوں نے اپنے پیروں اور عالموں کو اللہ عزوجل کے سوا رب بنالیا ہے''۔

علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے یہ آیت پڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ لوگ اپنے پیروں اور عالموں کی عبادت تو نہیں کرتے تھے آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ بات نہیں ہے کہ جس کو اللہ عزوجل نے حلال کیا یہ اس کو حرام کہتے ہیں۔ اور جس کو اللہ عزوجل نے حرام کیا اس کو یہ حلال کہتے ہیں۔ میں نے کہا کیوں نہیں آپ ﷺ نے فرمایا یہی ان کی عبادت ہے۔

اسی طرح زید صاحب نے جمیع مسلمانانِ اہلسنت اور علماء کرام کو داڑھی میں قبضہ کے وجوب کا قول کرنے کی وجہ سے کافروں اور ان کے گمراہ آباؤ اجداد کے مترادف سمجھتے ہوئے قرآنِ مجید کی ذیل میں دی ہوئی آیت بھی چسپاں کردی ہے۔

واذا قيل لهم اتبعوا ما انزل الله قالوا بل نتبع ما وجدنا عليه ابائنا ولو كان الشيطان يدعوهم الى عذاب السعير. (لقمان۲۰۔۲۱)

ترجمہ: ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کی اتباع کرو تو وہ کہتے ہیں کہ (نہیں) بلکہ ہم تو اسکی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ خواہ شیطان ان کو دوزخ کی طرف بلاتا ہو''۔

ان تمام گستاخیوں کے جواب میں ہم انھیں صرف اتنا کہتے ہیں کہ زید صاحب اپنی ان حرکات کی بناء پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک بدترین مخلوق میں شامل ہیں جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں

وکان ابن عمر یراھم شرار خلق اللّٰہ و قال انھم انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المومنین.

(بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۴)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھما انھیں بدترین مخلوق شمار کرتے تھے کیونکہ انھوں نے وہ آیات جو کافروں کے بارے میں نازل ہوئیں تھیں انہیں مسلمانوں پر چسپاں کیا۔

قول وفعل کا تضاد

زید صاحب داڑھی میں قبضے کے وجوب کے قائلین کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں

" یہ کہتے ہیں کہ احکام شرعیہ کو مقدر کرنا فلاں اور فلاں کا منصب نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کا حق ہے کہ جس چیز کو چاہیں حلال کردیں اور جس چیز کو چاہیں حرام کردیں۔ ہم لوگ تو صرف مبلغ

ہیں۔ ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ نے جس چیز کو حلال کیا ہو اسکی حلت بیان کردیں اور جس چیز کو حرام کیا ہو اسکی حرمت بیان کردیں ہم شارع نہیں ہیں کہ از خود کسی چیز کو حلال یا حرام کریں اور جو لوگ بغیر کسی صریح اور قطعی حدیث کے محض اپنی رائے سے داڑھی میں قبضے کو واجب اور خواہ ایک پور کے برابر قبضہ سے کم داڑھی ہو اسکو حرام کہہ رہے ہیں ان کو اللہ سے ڈرنا چاہئے اور قرآن کریم کی ان آیات سے عبرت پکڑنا چاہئے۔

"اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں ان کے بارے میں یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ تاکہ تم اللہ پر بہتان باندھو بے شک جو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح نہ پائیں گے"۔

الحمدللہ جہاں تک داڑھی میں قبضہ کی مقدار کے وجوب کا تعلق ہے تو اسکے دلائل ہم گذشتہ صفحات پر بیان کر چکے ہیں یہ زید صاحب کی خام خیالی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس اسکے دلائل نہیں۔ اسی لئے انھوں نے قرآن مجید کی ان آیت کو اہلسنت پر چسپاں کردیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اہلسنت و جماعت کے بجائے خود زید صاحب اس آیت کی زد میں آتے ہیں ہم انھی کی تحریر کے آئینے میں اس بات کا ثبوت فراہم کردیتے ہیں۔

زید صاحب اپنی اسی کتاب میں لکھتے ہیں

" چونکہ رسول اللہ ﷺ نے داڑھی منڈانے پر انکار کیا ہے اور داڑھی منڈانے سے داڑھی بڑھانے کے حکم کی بالکلیہ مخالفت ہوتی ہے اس لئے ہمارے نزدیک داڑھی منڈانا مکروہ تحریمی یا حرام ظنی ہے اور مطلقاً داڑھی رکھنا واجب ہے"۔

زید صاحب کی اس عبارت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی شخص چھوٹی سی داڑھی رکھ لے تو انکے نزدیک ایسا کرنا جائز ہوگا کیونکہ اس کے بارے میں انکار ثابت نہیں ہے البتہ ایسا کرنے سے " واعفوا اللحی " (داڑھیاں بڑھاؤ) کے غیر وجوبی امر کا خلاف لازم آئے گا جو کہ زیادہ سے زیادہ خلاف اولی ہوگا۔ مگر زید صاحب نے اپنی اسی کتاب میں اس کے برعکس یہ بھی لکھ دیا ہے کہ ایسا کرنا ان کے نزدیک جائز نہیں۔ زید صاحب کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

" یہ واضح رہے کہ خشخشی داڑھی رکھنے یا فرنچ کٹ داڑھی رکھنے یا داڑھی کی زیادہ مقدار کاٹنے کے مجوز نہیں"۔

اب ہم زید صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ کیا آپ نے اس کام کو ناجائز نہیں کر دیا؟ کہ جس کو آپ کے زعم میں اللہ عزوجل اور رسول ﷺ نے حلال قرار دیا ہے یقیناً یقیناً آپ نے ایسا ہی کیا ہے آپ کو اللہ

عزوجل سے ڈرنا چاہیے اور آپکو اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے

ممکن ہے کہ زید کے متبعین میں سے کوئی یوں کہہ دے کہ زید صاحب نے خشخشی داڑھی، فرنچ کٹ اور چھوٹی داڑھی کے ناجائز ہونے کی وجہ لکھ دی ہے کیونکہ یہ عرف وعادت کے خلاف ہے اور احکام میں عرف وعادت کا اعتبار ہوتا ہے۔

فقیر کہتا ہے کہ زید اور ان کے متبعین کا یہ جواب ان کی قواعد فقہیہ سے جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے کیونکہ احکام میں عرف اور عادت کا اعتبار اُسوقت ہوتا ہے جب احکام میں نص وارد نہ ہو جب نص وارد ہو جائے تو عرف وعادت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ نص اقوی ہے عرف وعادت سے جیسا کہ علامہ عبدالغنی الغمینی المیدانی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا

لان النص اقوی من العرف والاقوی لایترک بالادنی

(اللباب فی شرح القدوری الجزء الاول ۲۸۷۔۲۵۶ میر محمد کتب خانہ)

ترجمہ: کیونکہ نص قوی ہے عرف سے اور اقوی کو ادنی کے مقابلے میں نہیں ترک کیا جاتا۔

چونکہ زید صاحب کے نزدیک داڑھی کو ایک مشت سے کم کرنے کے جواز پر نص وارد ہے لہذا اس جواز کو عرف کی وجہ سے ناجائز نہیں کر سکتے

لہٰذا زید صاحب نے جو آیات غلط تاویل کے ذریعے اہلسنت پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے اس سے خود کو نہیں بچا سکتے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس قسم کی غلط سوچ سے محفوظ فرمائے۔

ھذا ما ظھرلی والعلم بالحق عنداللہ ورسولہ عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم

ابوبکر صدیق العطاری

۲۹ جولائی ۱۹۹۸ء

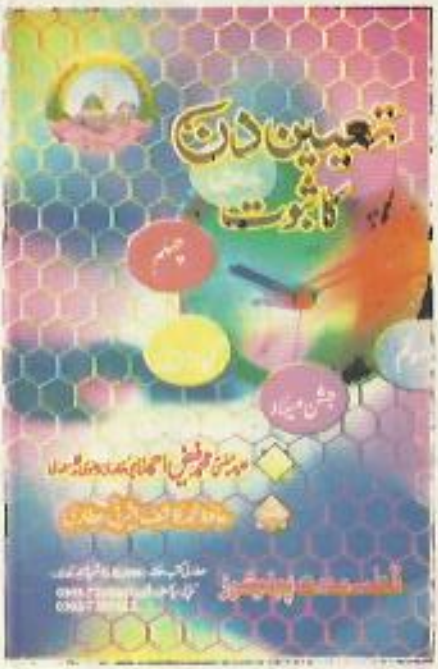
تعیین دن
کا ثبوت

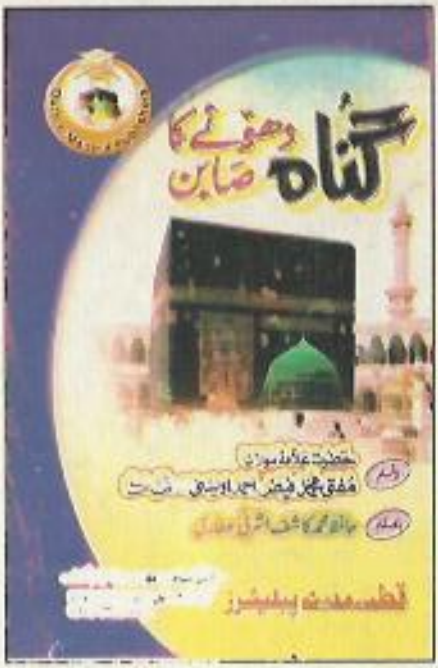
گناہ دھونے کا صابن

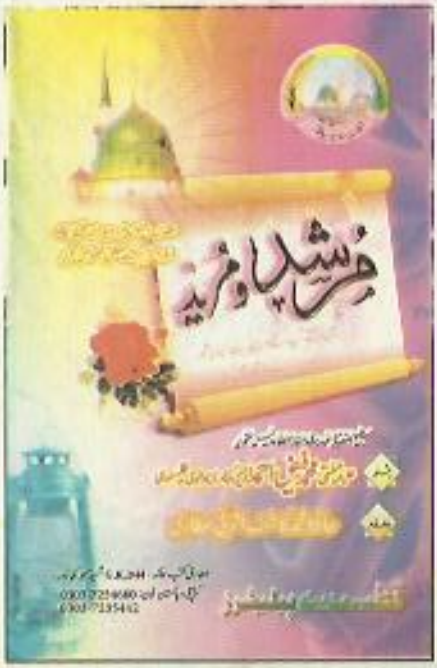
مرشد و مرید

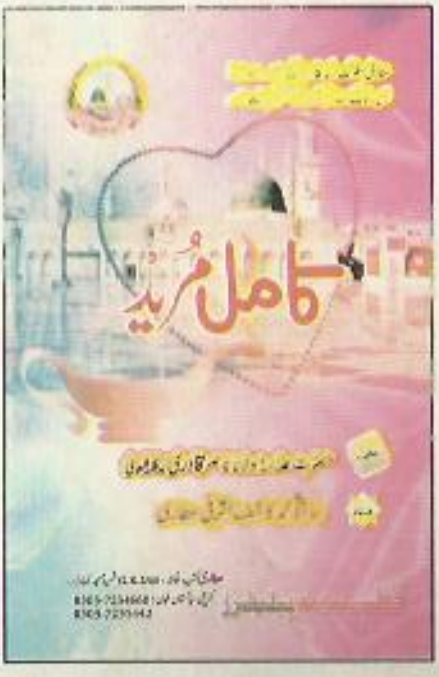
کامل مرید